امیر خسرو

امیر خسرو

امیر خسرو

شیخ سلیم احمد

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

پہلا ایڈیشن (اردو)
اکتوبر۔ 1975
کارتک۔ 1897
P.D 2T

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

قیمت : Rs.4.40

شریمتی انجنی دیانند سکریٹری نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، اروند مارگ، نئی دہلی
نے انجمن ترقی اردو ہند کے اہتمام سے پرنس آفسٹ پریس میں چھپوا کر پبلیکیشن ڈپارٹمنٹ سے شائع کیا۔

پیشِ لفظ

ہندوستانی عوام نے تاریخ کے لمبے سفر کے دوران میں ایک بیش قیمت تمدّن کو پروان چڑھایا ہے۔ ہمارے تمدّن کی تشکیل کے عمل میں ملک کی اندرونی تبدیلیوں اور دیگر تمدنوں سے ان کی آمیزش کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہمارا تمدّن کبھی بھی یکطرفہ اور جامد نہیں رہا۔ تاریخ کے تقریباً ہر دور میں رنگارنگی اور مِلی جُلی اقدار اس کی اہم خصوصیات رہی ہیں جنھوں نے ہمارے تمدّن کو اور بھی بیش قیمت بنا دیا ہے۔

ہندوستانی تمدّن کی ان خصوصیات کی تشکیل میں اَن گنت مفکّروں، عالموں، مذہبی اور سماجی مصلحوں، شاعروں اور فنکاروں نے بہت اہم حصّہ ادا کیا ہے۔

عہدِ وسطیٰ کے عظیم شاعر، عالم اور صوفی امیر خسروؔ نے اس عمل میں جو حصہ لیا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ آج بھی امیر خسرو کا نام اور ان کا کام ہمارے عوام کے ذہنوں میں حب الوطنی اور اتحاد، ہمارے تمدّن کی بیش قیمتی اور اس کی رنگارنگی کی علامتوں کے طور پر محفوظ ہے۔

امیر خسرو کی چھوڑی ہوئی روایت سات صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی ہمارے عوام سے جُڑی ہوئی ہے اور جب بھی ہم اپنے اتحاد کے رخنوں کو پُر کرنا اور اپنی زندگی کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو امیر خسرو کی یاد ہمارے دل میں تازہ ہو جاتی ہے۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ ادھر کئی برسوں سے نئی نسل کے لئے ایسی زائد

نصابی کتابیں چھاپنے میں مصروف ہے جو انھیں ہمارے تمدن کی روایت کی عظمت اور اس روایت کو پروان چڑھانے میں تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمارے مفکروں، عالموں، مذہبی اور سماجی مصلحوں، شاعروں اور قومی رہنماؤں نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن سے نوجوانوں کو واقف کرا سکیں۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ شیخ سلیم احمد کی شکر گذار ہے کہ انھوں نے امیر خسرو کی سات سو سالہ تقاریب کے سلسلۂ مطبوعات میں زیر نظر کتاب لکھی ہے۔

میں اس موقع پر سماجی علوم و ہیومیانٹیز کے شعبہ تعلیم کے شری ارجن دیو اور ڈاکٹر رام جنم شرما اور شعبہ اشاعت کے شری مجتبیٰ حسین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے مسودہ کی تیاری و ترتیب میں مختلف مرحلوں پر مصنف کی مدد کی۔ کونسل ان دانشوروں اور ادیبوں کی بھی شکر گذار ہے جنھوں نے مختلف طریقوں سے اس مسوّدہ کو قطعیت دینے میں مدد بہم پہونچائی۔

کونسل شری حسن الدین احمد، جنرل سیکریٹری امیر خسرو قومی تقاریب کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے کہ ان ہی کی تحریک پر اس کتاب کی تیاری کا آغاز کیا گیا اور کتاب میں شامل تصویروں اور دیگر مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں بھی انہوں نے گہری دلچسپی لی۔

کونسل اس کتاب کو امیر خسرو کی سات سو سالہ تقاریب کے موقعہ پر اس امید کے ساتھ پیش کر رہی ہے کہ ہمارے نوجوان قارئین، جن کے لئے یہ کتاب خصوصی طور پر لکھی گئی ہے ان اعلیٰ صفات کو اختیار کرنے کی کوشش کریں گے جن کی مثالیں امیر خسرو نے اپنی زندگی اور اپنے کام سے فراہم کی ہیں۔

رئیس احمد

ڈائرکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

30.9.1975

"جن مسلمانوں نے ہندی میں بہت سی اچھی کتابیں لکھیں ان میں امیر خسرو کا نام سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ فارسی کے اونچے درجے کے شاعر تھے اور سنسکرت بھی جانتے تھے۔ وہ بہت اچھے سنگیت کار تھے۔ سنگیت میں انھوں نے کئی چیزیں داخل کیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ستار انھیں کی ایجاد ہے۔ ہندوستان میں ان کا نام ان کے گیتوں کی وجہ سے ہوا جو انھوں نے عام بول چال کی ہندی میں لکھے۔ انھوں نے ہندوستان کے بدلتے موسموں، جیون کے مختلف رنگوں، دلہن سے بدائی اور محبوب سے جدائی اور نئی زندگی سے بھرے برسات کے بادلوں کے گیت گائے ہیں۔

امیر خسرو نے بہت سی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں بھی لکھیں۔ ان کی گونج آج بھی ہندوستان کے گاؤں میں سنائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان میں ایسا کوئی شاعر نہیں ہوا۔ چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی جس کے گیتوں میں جنتا کے لئے اتنی کشش ہو۔"

جواہر لال نہرو

فہرست

پیشِ لفظ

بچپن اور جوانی 1

درباروں میں 11

سماجی زندگی 19

ہندوستان سے محبت 28

ہندی شاعری 37

سنگیت کار 49

حضرت نظام الدین اولیا 53

فارسی شاعری 68

امیر خسرو کی کتابیں 76

امیر خسرو کی دین 81

اظہارِ تشکر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ حسب ذیل اصحاب کی تہہ دل سے شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس کتاب کی تیاری میں بھرپور تعاون دیا اور مشوروں سے نوازا ۔

شری شفیع الدین نیرّ
شری حسن الدین احمد
ڈاکٹر ماجدہ اسد
ڈاکٹر مظفر حنفی

ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی
ڈاکٹر ایس ۔ آر پاٹھک
شری قمرالدین
ڈاکٹر انل کمار اپادھیائے

1

بچپن اور جوانی

امیر خسرو کا پورا نام ابوالحسن یمین الدین خسرو تھا۔ وہ 1253ء میں اتر پردیش کے ایک قصبے پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ ضلع ایٹہ میں دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے۔ ان کے والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا۔

وہ وسط ایشیا CENTRAL ASIA کے جس علاقہ سے آکر ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے اس علاقے کو ماوراالنہر TRANSOXIANA بھی کہتے ہیں۔ یہاں بلخ، بخارا اور سمرقند جیسے مشہور شہر آباد ہیں۔ اس زمانہ میں یہ شہر علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کے بڑے مرکز تھے۔ یہ علاقہ اب سوویت یونین میں ہے اس علاقہ پر ترکوں کی حکومت تھی جو ایک بہادر اور جنگ جو قوم تھی۔

امیر خسرو کے والد ان ہی ترکوں کے ایک قبیلے ہزارہ لاچین کے سردار تھے۔ ان کے ہندوستان آنے کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔

۱۳ویں صدی میں وسط ایشیا میں ایک بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا۔ منگولوں نے اس علاقہ پر حملے شروع کر دیے۔ چنگیز خاں کا نام تم نے سُنا ہی ہوگا۔ وہ ان منگولوں کا سردار تھا۔ ان منگولوں نے شہر کے شہر اجاڑ دیے اور بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد کر دیں۔ بادشاہوں و شہزادوں کو قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ منگول جس علاقے سے گزر جاتے تھے وہاں آگ و خون کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہری بھری وادیاں ویرانوں میں بدل جاتی تھیں۔ دلوں پر منگولوں کا خوف اس قدر طاری ہو گیا تھا کہ مائیں بچوں کو ان کے نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔ مسلمانوں نے صدیوں کی محنت سے جس تہذیب و تمدن کو پروان چڑھایا تھا منگولوں نے

اسے جلاکر تہس نہس کر دیا۔ تاریخ میں اس سے زیادہ بھیانک تباہی و بربادی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

اس تباہی و بربادی سے گھبرا کر بہت سے مسلمان خاندانوں نے ہندوستان میں پناہ لی۔ اس وقت ہندوستان میں امن وامان تھا۔ چاروں طرف خوش حالی اور دولت کی ریل پیل تھی۔ منگولوں کی تباہ کاری سے بچ کر ترکوں کے سینکڑوں قبیلے اس ملک میں آکر آباد ہوئے۔ ان ہی قبیلوں میں امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین محمود کا خاندان بھی تھا۔ جب وہ ہندوستان آئے تو یہاں سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ انھوں نے سلطان کی فوج میں نوکری کرلی۔ امیر سیف الدین زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن وہ ایک بہادر اور قابل سپہ سالار تھے۔ وہ تلوار کے دھنی تھے اور انھوں نے بہت سی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

امیر سیف الدین محمود نے ایک ہندوستانی لڑکی سے شادی کی۔ یہ لڑکی وزیر عماد الملک کی بیٹی تھی جو بعد میں امیر خسرو کی ماں بنی۔ ان کے والد ترک نسل کے تھے اور ان کی ماں ہندوستانی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر خسرو میں ہمیں دو تہذیبوں کا سنگم ملتا ہے۔ کیونکہ ان کی رگوں میں ہندی اور ترکی خون شامل تھا۔ آج جو ہماری ملی جلی ہندو مسلم تہذیب ہے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں امیر خسرو نے بڑا کام کیا۔

امیر خسرو کی پیدائش کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو چادر میں لپیٹ کر ایک بزرگ کے پاس لے گئے۔ بزرگ نے بچے کو دیکھتے ہی کہا: ”امیر محمود تم کس بچے کو میرے پاس لائے ہو۔ یہ بڑا ہو کر خاقانی[1] سے بھی آگے بڑھ جائے گا اور ساری دنیا میں اس کا نام ہوگا۔“ ان بزرگ کی یہ پیش گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔ آج تک دنیا میں امیر خسرو کا نام مشہور ہے۔

امیر خسرو بچپن ہی سے ذہین اور ہونہار تھے۔ ان کو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا۔ دس سال کی عمر میں

---

[1] خاقانی اس زمانہ میں ایران کا بڑا شاعر تھا۔

انھوں نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "اس کم عمری میں بھی کہ جب میرے دودھ کے دانت نہ ٹوٹے تھے شعر میرے منھ سے موتیوں کی طرح جھڑتے تھے"۔

ان کے بچپن کا ایک واقعہ اور ہے۔ اس سے ان کی خداداد شاعرانہ صلاحیت و قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے استاد کا نام قاضی اسدالدین تھا۔ وہ اکثر شہر کوتوال کے گھر ان کے خط لکھنے جاتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے ہونہار شاگرد امیر خسرو کو بھی شہر کوتوال کے گھر لے گئے۔ وہاں ایک بڑے عالم شاعر و ادیب خواجہ عزالدین بھی موجود تھے۔ شعر و شاعری کا ذکر تھا۔ قاضی اسدالدین نے امیر خسرو کا تعارف کرایا کہ یہ بچہ بھی شعر و شاعری سے کچھ دلچسپی رکھتا ہے۔ انھوں نے ایک کتاب امیر خسرو کے سامنے بڑھا دی۔ خسرو نے اس میں سے ایک نظم ترنم کے ساتھ پڑھی اور ایسی میٹھی اور پیاری آواز میں پڑھی کہ سننے والوں پر مستی کا عالم طاری ہو گیا۔ ان کی آواز کے جادو سے سب جھوم اُٹھے۔ جب یہ سماں دیکھا تو خسرو کے استاد نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نظم تو کوئی بھی پڑھ سکتا ہے اس بچہ سے کوئی شعر موزوں کرایئے۔ اس پر ان کو چار الگ الگ لفظ یعنی مو (بال)، خربوزہ۔ بیضہ (انڈا) اور تیر دیئے گئے۔ جن میں بظاہر ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں تھا اور ان کو ایک رباعی میں نظم کرنے کے لیے کہا گیا۔ امیر خسرو نے وہیں پر یہ رباعی کہی۔

ہر موئے کہ در دو زلف آں صنم است
صد بیضہ عنبریں براں موئے صنم است
چوں تیر مدان راست دلش را زیرا
چوں خربزہ دندانش میان شکم است

(اس محبوب کی دو زلفوں کے ایک بال میں عنبر کے بیضے ہیں اس کو تم تیر کی طرح سیدھا مت سمجھو۔ خربوزہ کی طرح وہ دانت کو اپنے پیٹ میں لئے ہوتے ہیں) یہ رباعی سن کر سب حیران رہ گئے۔ اور سب

نے خسرو کی تعریف کی ۔

امیر خسرو ابھی صرف آٹھ سال کے تھے کہ ان کے والد امیر سیف الدین محمود کا انتقال ہو گیا۔ وہ منگولوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے مارے گئے۔ خسرو کو اپنی ماں کے ساتھ پٹیالی سے دلی آنا پڑا۔ یہاں ان کے نانا عماد الملک رہتے تھے باپ کی موت خسرو کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں باپ کے پیار سے محروم ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی والدہ اور ان کے نانا نے ان کی اس کمی کو پورا کر دیا۔ باپ کی موت سے خسرو کی تعلیم اور پرورش میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کے نانا عماد الملک سلطان بلبن کے دور میں وزیر جنگ تھے۔ سلطنت کے وہ ایک ستون سمجھے جاتے تھے۔ دربار میں ان کی بڑی عزت تھی دولت کی کمی نہ تھی۔ اس لیے خسرو کو کسی بات کی تنگی نہیں ہوئی۔ ان کی والدہ ان سے بے حد پیار کرتی تھیں۔ وہ ایک نیک دل اور مذہبی خاتون تھیں امیر خسرو اپنے شعروں میں اپنی ماں کا ذکر بڑی عقیدت و محبت سے کرتے ہیں۔ ان کی زندگی پر ان کی ماں کا بہت گہرا اثر تھا خسرو نے اپنی ماں اور اپنے نانا کی نگرانی میں اپنے زمانہ کے علم و فن میں پوری مہارت حاصل کی۔ فارسی زبان کے تو وہ بہت بڑے شاعر تھے ہی۔ انھوں نے عربی بھی پڑھی سنسکرت اور ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانیں بھی سیکھیں۔ ہندوستانی زبان کو رواج دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے علم و نجوم اور موسیقی میں بھی کمال حاصل کیا۔ یہ خوش حالی اور بے فکری کا زمانہ تھا۔ امیر خسرو کے پاس وقت بھی کافی تھا وہ شعر و شاعری کی دنیا میں ڈوبے رہتے تھے۔

مگر یہ خوشیوں کا دور زیادہ عرصہ باقی نہیں رہا۔ ان کی عمر بیس سال کی تھی کہ ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا۔ خسرو کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ ایک باپ سے بھی زیادہ محبت کرنے والے سرپرست سے محروم ہو گئے تھے۔ اب انھیں خود ہی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑا اس وقت تک ایک شاعر کی حیثیت سے وہ کافی مشہور ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی قابلیت اور ذہانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما دیا تھا۔

اس لیے ان کو روزگار ملنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اس زمانہ میں شاعروں اور فنکاروں کی سرپرستی کرنے کا عام رواج تھا۔ امیر شہزادے اور بادشاہ علم وفن کی ترقی کے لیے شاعروں اور دوسرے فن کاروں کو اپنے دربار میں رکھتے تھے ان کو وظیفے اور جاگیریں دیتے تھے۔

ایک شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بھتیجا ملک کشلو خاں تھا اس کی بخشش اور فراخ دلی کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک بار وہ ایک شاعر کا قصیدہ سن کر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اپنے اصطبل کے تمام گھوڑے اسے انعام میں دیدیے اور جن قوالوں نے یہ قصیدہ گایا تھا ان میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار تنکے (اس زمانہ کا ایک سکہ) دیے۔ کشلو خاں امیر خسرو کو خاص طور پر پسند کرتا تھا۔ اس نے خسرو کو اپنے یہاں رکھ لیا۔ خسرو کی یہ پہلی ملازمت تھی۔ خسرو کا کام یہ تھا کہ وہ شہزادے کے ساتھ رہیں۔ اس کی مجلسوں کی رونق بڑھائیں۔ اس کی شان میں قصیدے لکھیں۔ خسرو دو سال تک اس کی ملازمت میں رہے۔ ایک ناخوشگوار واقعہ کی وجہ سے انھیں یہ ملازمت چھوڑنی پڑی۔

اس واقعہ کو خود امیر خسرو نے بیان کیا ہے۔ انہی کے لفظوں میں سنیئے: "بلبن کا چھوٹا بیٹا بغرا خاں شعر و شاعری کا بڑا شوقین تھا۔ وہ ایک بار ملک چھجو کی محفل میں شریک ہوا اس کے ساتھ چند خاص مصاحب بھی تھے جن میں شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی شامل تھے ...... ان دونوں عالموں کا اجتماع چاند و سورج کا ایک جگہ جمع ہو جانا تھا۔ میں اس محفل میں عطارد (ایک سیارے کا نام) کی طرح تھا۔ مجھے ان کی صحبت پر ناز تھا۔ ایک طرف تو یہ دونوں شاعری کے دربار کے بادشاہ اپنا سکہ جمانے کی کوشش میں مصروف تھے اور دوسری طرف میں بھی شاعری کے نقارے کو ایسی اونچی آواز سے بجا رہا تھا کہ وہ مجھے نیچا نہیں دکھا سکتے تھے۔ دونوں طرف کی گھن گرج کو دونوں، شہزادوں نے خوب غور سے سنا۔ شاعر جب اپنا کلام سنا رہے تھے تو ان

کی بخشش کے بادل نے ایسا مینھ برسایا کہ تمام زمین کو سیراب کر دیا۔ سونے کی عجیب بارش تھی کہ دیناروں کو دیکھتے دیکھتے لوگوں کی آنکھیں پیلی ہو گئی تھیں۔ اور سونے کے بوجھ سے ان کے دامن یوں پھٹے پڑتے تھے جیسے گلاب کی سینکڑوں پتیاں الگ الگ ہو کر بکھر جائیں۔ میرے شعر شہزادہ بغرا خاں کو ایسے پسند آئے کہ اس نے میرے لیے ایک خوان (طباق) سفید چاندی کے تنکوں کا بھرا ہوا منگوا کر بطور انعام دیا۔ اور اس طرح مجھے اپنا غلام بنا لیا مگر کشلو خاں میں حسد اور رشک بہت تھا اس کے چہرے پر فوراً ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے یہ دیکھ کر اسے ہر طرح منانے کی کوشش کی مگر وہ میری کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ اس واقعہ کو کئی دن گذر گئے۔ وہ پچھلی باتوں کو بھولتا ہی نہیں تھا وہ مجھے سزا دینا چاہتا اور اپنے غصّے کے تیر کا نشانہ بنانا چاہتا تھا اس لیے میں بھی تیر کی طرح بھاگ نکلا۔"

اس واقعہ کے بعد بغرا خاں نے امیر خسرو کو اپنے دربار میں بلا لیا اور ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ بغرا خاں سامانہ کے صوبے کا گورنر تھا لیکن خسرو کو یہاں بھی زیادہ عرصہ رہنا نصیب نہیں ہوا۔ بغرا خاں خسرو کو لکھنوتی اور بنگالے کی مہم پر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس علاقے میں طغرل نام کے ایک امیرزادہ نے بغاوت کر دی تھی۔ اس بغاوت کا خاتمہ کر دیا گیا اور بلبن نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو اس علاقہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ بغرا خاں چاہتا تھا کہ امیر خسرو ان کے ساتھ رہیں۔ مگر خسرو کا وہاں دل نہیں لگا کیونکہ ان کی ماں دلّی میں تھیں اور ان کو بہت یاد آتی تھیں اس لیے وہ دلّی لوٹ آئے۔

سلطان بلبن کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ محمد ملتان کا گورنر تھا اس زمانے میں ملتان کو منگولوں کے حملوں کو روکنے کے لیے ایک فوجی چوکی سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے سلطان نے اس اہم فوجی اڈہ کی نگرانی اپنے سب سے قابل اور بہادر بیٹے کے سپرد کر دی۔ سلطان کو اپنے اس بیٹے سے بڑی محبت تھی اور اس پر بڑا ناز تھا۔ لکھنوتی اور بنگالے میں جب طغرل کی بغاوت کو کچل دیا گیا تو دلّی میں اس کامیابی کا جشن منایا گیا۔ اس جشن میں شرکت کے لیے

ملتان سے شہزادہ محمد بھی آیا۔ یہاں اس کی ملاقات خسرو سے ہوئی۔ وہ اُن کی شاعری سے بہت متاثر ہوا اور امیر خسرو کو اپنے ساتھ ملتان لے گیا۔ شہزادہ محمد علم و ہنر کی بڑی سرپرستی کرتا تھا۔ اس کے دربار میں بڑے شاعر و ادیب جمع تھے۔ وہ شاعروں کا اس درجہ قدردان تھا کہ اس نے ایران کے مشہور شاعر شیخ سعدی کو بھی اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے امیر خسرو کے فن کی بھی دل سے قدر کی۔ ملتان کے دربار میں امیر خسرو کے ساتھ ان کا دوست امیر حسن بھی ملازم تھا۔ خسرو اس سے پہلی بار ایک نان بائی کی دکان پر ملے تھے۔ وہ اس کی حاضر جوابی اور حسن سے بہت متاثر ہوئے اور دونوں میں دوستی ہو گئی۔ ان دونوں میں بے حد محبت تھی۔ امیر حسن بھی شاعر تھا دونوں کی دوستی کے بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ اس زمانہ میں خسرو نے بہت سے قصیدے لکھے اور اپنے آقا کی دل کھول کر تعریف کی۔ وہ پانچ سال تک اس شہزادہ کے ساتھ ملتان میں رہے لیکن ایک ایسا دردناک حادثہ پیش آیا کہ یہ خوب صورت محفل اجڑ گئی اور امیر خسرو کو ایک بار پھر دلی کا رخ کرنا پڑا۔ شہزادہ محمد منگولوں کے خلاف لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔ سلطان بلبن کا یہ بڑا چہیتا بیٹا تھا اور اس کا جانشین اور ولی عہد بھی۔ اس لیے اس کی اچانک موت کی خبر سے دلی میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ بوڑھے سلطان بلبن کی عمر ۸۰ سال ہو چکی تھی۔ اس صدمہ سے اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ امیر خسرو بھی دوسرے افسروں کے ساتھ منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور قیدی بنا دیے گیے لیکن ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔

منگولوں کے ہاتھوں قید ہونے اور پھر رہائی پانے کے واقعے کو امیر خسرو نے خود بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ "اگرچہ میں اس خون خرابے سے زندہ بچ رہا۔ لیکن قید ہوا اور موت کے ڈر سے میرے کمزور جسم میں خون خشک ہو گیا۔ مجھے ایک پہاڑی نالے کی طرف بھاگنا پڑا اور چلتے چلتے میرے تلووں میں ہزاروں آبلے پڑ گئے اور میرے پاؤں کی کھال جگہ جگہ سے کٹ گئی۔ میرے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا کانٹوں سے ہزاروں

جگہ زخم پڑ گئے تھے۔ وہ سرکش باغی جو مجھے ہنکائے لے جا رہا تھا گھوڑے پر یوں بیٹھا تھا جیسے پہاڑ پر چیتا۔ اس کے منہ سے بو آ رہی تھی اس کی گندی مونچھیں اس کے ہونٹوں پر لٹکی ہوئی تھیں نا امیدی سے آہ بھرتا تھا اور دل میں سوچتا تھا کہ اب اس بلا سے زندہ نہیں نکلوں گا مگر اس مہربان خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھے اس سے رہائی دی۔ نہ تیر نے دل کو چھوا اور نہ تلوار نے میرے جسم کو گھائل کیا۔"

آگے اپنی رہائی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں ریگستان میں پیاسا اور بھوکا چلا جا رہا تھا۔ سر دیگ کی طرح ابل رہا تھا۔ چلتے چلتے میں اور میرا ساتھی مغل سوار دونوں ایک چشمہ پر پہنچے اگرچہ پیاس اور گرمی سے میرا تن پھنک رہا تھا۔ مگر میں نے اس سلگتی آگ پر پانی سے تیل ڈالنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ ذرا سا پانی پیا۔ جس سے دل اور جگر میں ٹھنڈک پیدا ہو گئی مگر مغل سوار اور اس کے گھوڑے نے ٹوٹ کر پانی پیا اور اتنا پیا کہ دونوں گر کر ہلاک ہو گئے۔"

امیر خسرو منگولوں کی قید سے آزاد ہو کر جب دلی پہنچے تو ہر طرف سوگ چھایا ہوا تھا۔ انھوں نے شہزادہ کی موت پر ایک مرثیہ لکھا۔ اس مرثیہ میں منگولوں کے ساتھ جنگ اور شہزادہ کے قتل کا ایسا بھیانک اور دردناک نقشہ کھینچا گیا تھا کہ لوگ اس مرثیہ کو سن کر زار و قطار رونے لگتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد خسرو چند روز تک دلّی میں رہے اور پھر اپنے وطن پٹیالی چلے گئے۔ یہاں ان کا تعلق امیر علی سرجاندار سے ہو گیا۔ یہ شہزادہ سلطان بلبن کا چچازاد بھائی اور اودھ کا حاکم تھا۔ اور سخاوت میں حاتم سے بڑھ کر تھا۔ اس نے بھی امیر خسرو کی قدر دانی کی۔ امیر خسرو کچھ دن اس امیر کے ساتھ اجودھیا میں رہے جہاں کے لوگوں اور قدرتی نظاروں کی انھوں نے اپنی نظموں میں بڑی تعریف کی۔

سلطان بلبن کے انتقال کے بعد اس کا پوتا کیقباد تخت پر بیٹھا۔ کیقباد کے باپ بغرا خاں بنگالے میں تھے۔ کیقباد ایک عیش پسند اور نا اہل بادشاہ تھا اس کی حکومت میں چاروں طرف ناچ رنگ شراب اور

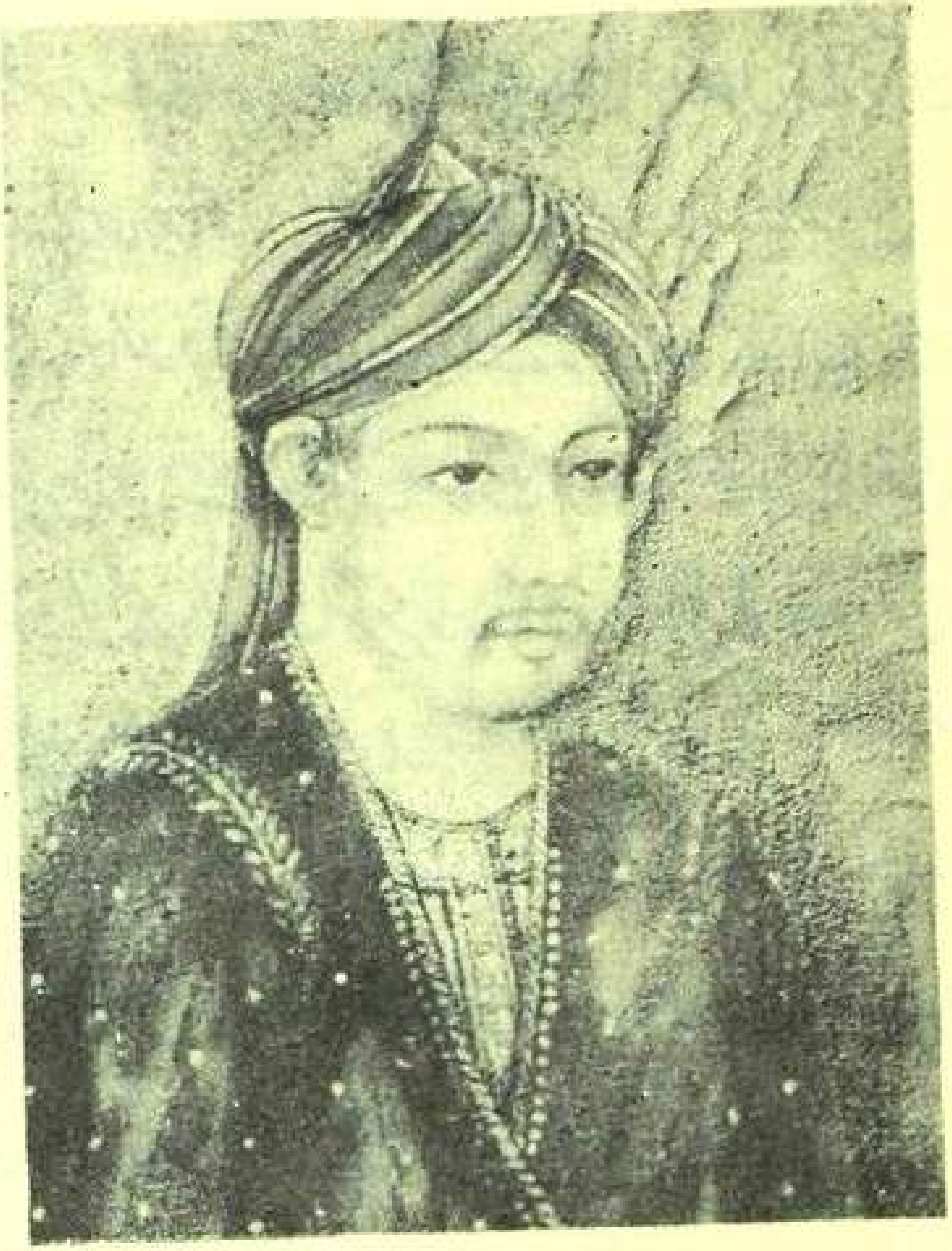

امیر خسرو ۔ عہد جوانی

عیش وعشرت کی محفلیں عام تھیں۔ حکومت کا کام درہم برہم تھا۔ دربار میں مسخروں اور بھانڈوں کی حکمرانی تھی۔ چاروں طرف افراتفری اور بدعنوانی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے باپ کو بیٹے کے خلاف بھڑکایا اور دلّی پر حملے کے لیے اکسایا۔ چنانچہ بغرا خان نے دلّی پر حملہ کی تیاری شروع کی اور دلّی کی طرف روانہ بھی ہو گیا۔ لیکن بعض درباری اور امیر باپ بیٹے کے درمیان لڑائی کے خلاف تھے۔ انھوں نے ان دونوں میں صلح کرا دی اور اس طرح یہ جنگ ٹل گئی۔ باپ اور بیٹے دونوں اپنی اپنی راجدھانیوں کو لوٹ گئے۔

امیر خسرو نے باپ اور بیٹے کے درمیان ناراضگی اور پھر صلح کے منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

سلطان کیقباد نے امیر خسرو کو دربار میں طلب کیا اور ان سے فرمائش کی کہ وہ اس واقعہ کو نظم میں لکھ دیں۔ باپ بیٹے کی ملاقات کا یہ دلچسپ واقعہ خسرو نے ایک مثنوی میں لکھا۔ جس کا نام انھوں نے قرآن السعدین (ستاروں کا ملن) رکھا اور اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اسے بہت پسند کیا۔

کیقباد ہی کے زمانہ کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان نے دریائے جمنا کے کنارے ایک نئی راجدھانی بنائی اور ایک نیا شہر بسایا۔ نئے اور خوب صورت محل بنوائے جب یہ شہر بن کر تیار ہو گیا تو سلطان نے امیر خسرو سے اس کا نام تجویز کرنے کے لیے کہا مگر شرط یہ لگائی کہ نام ایسا ہو جس میں سلطان اس کی رعایا اور خدا تینوں کا ذکر ہو۔ امیر خسرو نے فوراً یہ نام تجویز کر دیا۔

کے ۔ لوک ۔ ہری

کیقباد کے نام کا پہلا حرف ک ہے لوک جنتا کو کہتے ہیں اور ہری ہندی میں خدا کا نام ہے۔ آج یہ نام بگڑ کر کلوکھڑی ہو گیا ہے یہ جگہ نئی دہلی میں آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

اس طرح پہلی بار خسرو کو ایک درباری شاعر اور مصاحب کی حیثیت سے دربار میں جگہ مل گئی کیقباد نے نہ صرف انہیں مصاحب اور ندیم کا عہدہ دیا بلکہ ملک الشعرا (شاعروں کے بادشاہ) کا خطاب بھی دیا۔ یہاں سے خسرو کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

2

درباروں میں

سلطان کیقباد کے دربار میں خسرو کی رسائی ہو چکی تھی اور وہ بادشاہ کے ہاتھوں خلعت اور انعام واکرام حاصل کر چکے تھے ۔ مگر کیقباد کا زمانہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہا۔ کیقباد زیادہ شراب پینے اور عیاشی کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار پڑا کہ بستر سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اب حکومت کی باگ ڈور اس کے وزیر نظام الدین کے ہاتھ میں تھی ۔ یہ بڑا ظالم وزیر تھا۔ اس نے کیقباد کے نابالغ لڑکے کیامورث کو تخت پر بٹھایا اور خود حکومت کرنے لگا ۔ سلطان کیقباد اس سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا اس لیے اپنی فوج کے ایک سپہ سالار جلال الدین خلجی کو بلا کر وزیر جنگ بنا دیا تاکہ نظام الدین کا اثر کم ہو ۔ اس کو اپنے بیٹے کیامورث کا نگراں بھی مقرر کر دیا۔ حکومت کے کاموں میں اب اس وزیر کا اثر بڑھ گیا تھا اور یہ سوچا جانے لگا کہ وہی اب بادشاہ بنے گا۔ کیقباد کو اس کے ایک ملازم نے بیماری کی حالت میں ہی قتل کر دیا اور جلال الدین خلجی دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے امیر خسرو کی بڑی قدر کی وہ بادشاہ بننے سے پہلے خسرو کا قدر داں تھا اور خسرو اس کی شان میں قصیدے لکھ چکے تھے ۔ اس نے امیر خسرو کو امیر کا خطاب دیا۔ تبھی سے خسروؔ امیر خسرو کہلانے لگے ۔ اس کے علاوہ دربار میں انھیں مصحف بردار کا عہدہ دیا گیا۔ بارہ ہزار سالانہ ان کی تنخواہ مقرر کر دی گئی ۔

جلال الدین خلجی ستر سال کا بوڑھا تھا مگر اس کے باوجود وہ زندہ دل انسان تھا۔ اس عمر میں بھی وہ ہمت و حوصلہ رکھتا تھا اور ناچ رنگ کا بڑا شوقین تھا۔ شاعروں اور دوسرے کلا کاروں کی دل کھول

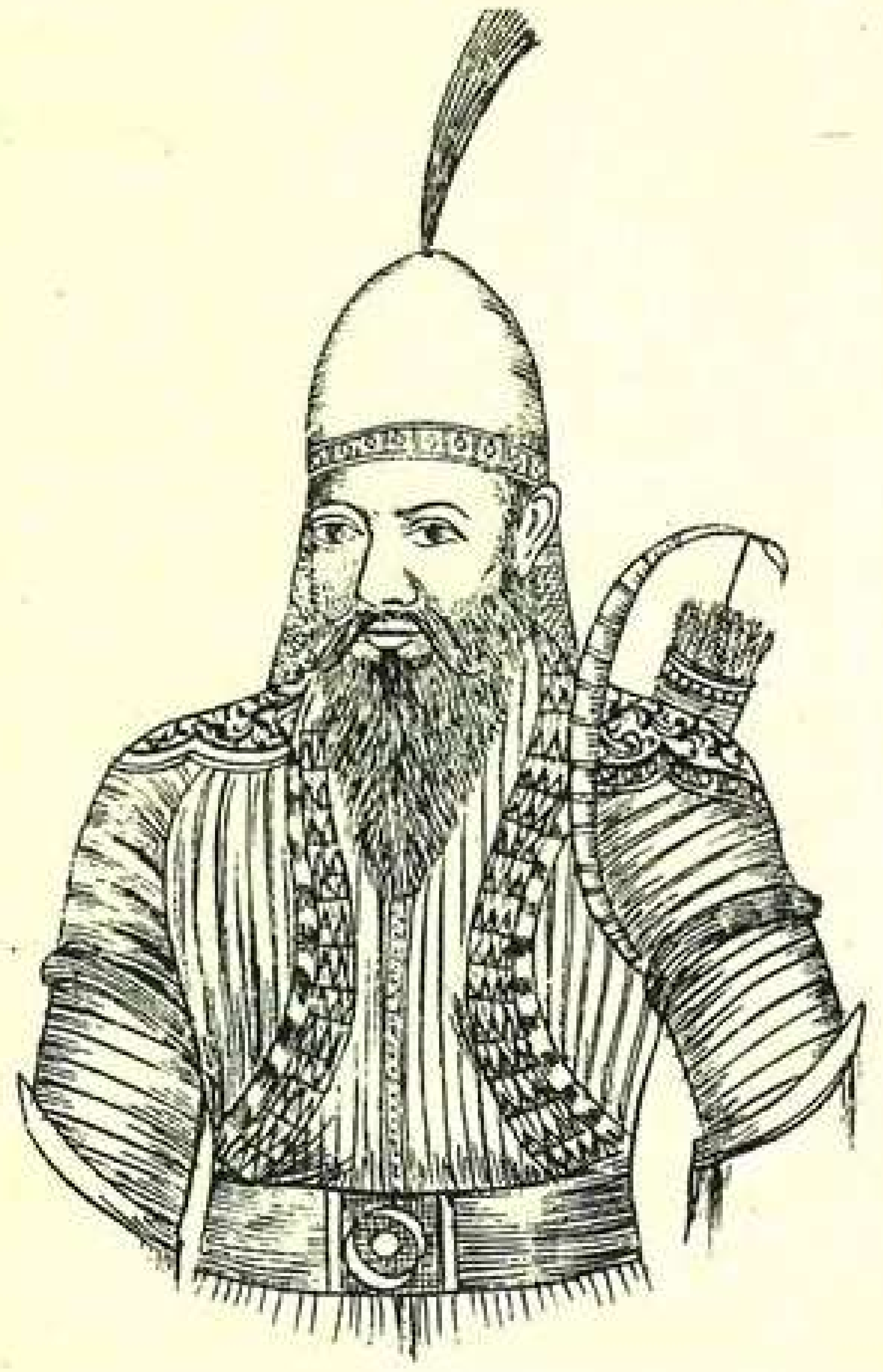

سلطان جلال الدین محمد فیروز خلجی

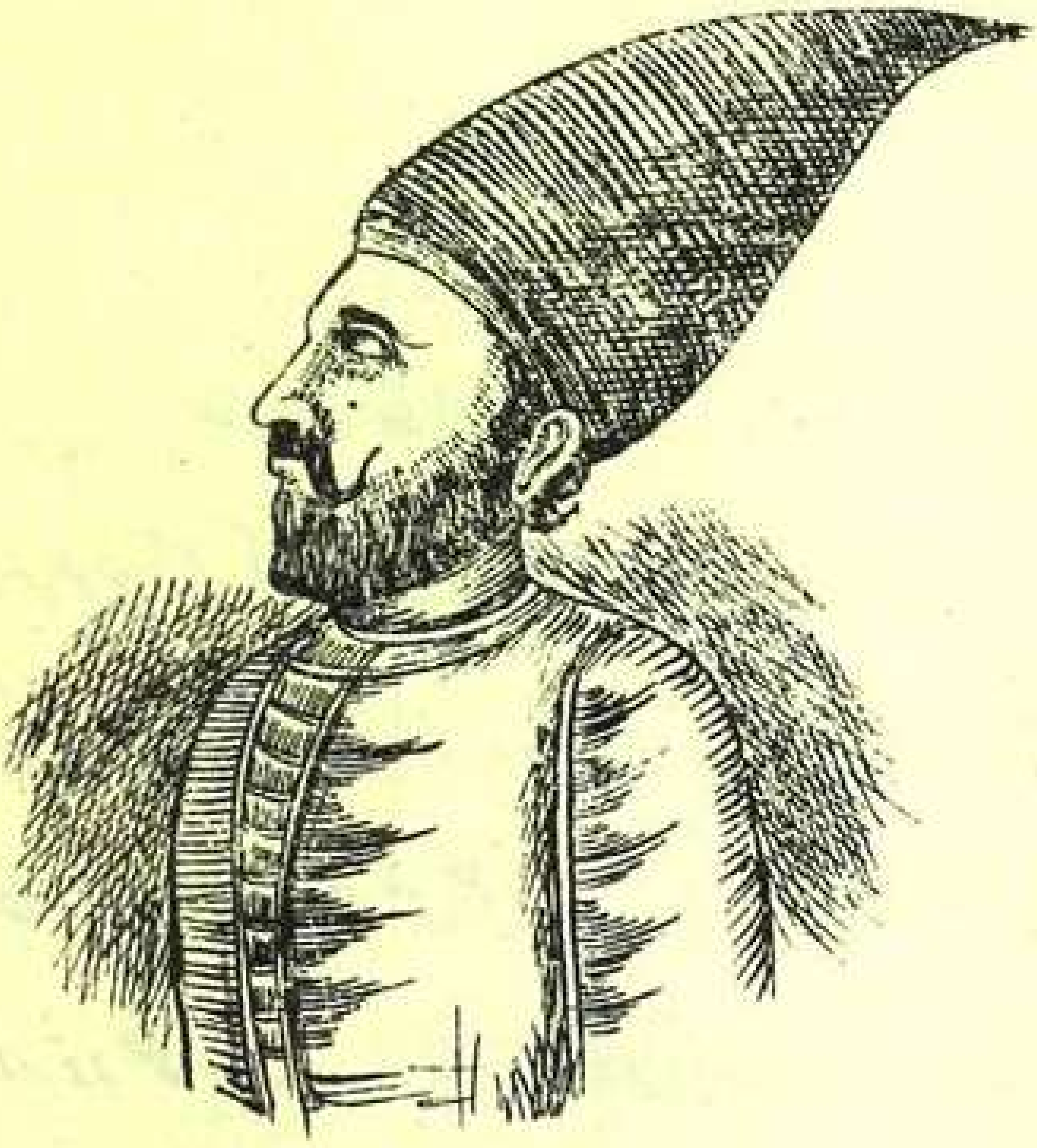

معزالدین کیقباد

کر قدر کرتا تھا۔ اس کے دربار میں سنگیت کاروں، شاعروں، ادیبوں اور عالموں ہ جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ دور دور سے فن کار آکر اس کے دربار میں اپنے فن کا کمال دکھاتے تھے ۔ وہ ان کو انعام و اکرام دیتا امیر خسرو ان محفلوں کی جان ہوتے تھے۔ ان کی غزلیں بڑے شوق سے گائی جاتی تھیں۔ خسرو کئی جنگوں میں بادشاہ کے ساتھ بھی گئے تھے۔ جلال الدین خلجی کی حکومت کے واقعات خسرو نے اپنی مثنوی مفتاح الفتوح میں لکھے ہیں ۔

جلال الدین خلجی کے بعد اس کا بھتیجا علاؤالدین خلجی تخت پر بیٹھا۔ وہ بادشاہ کا بھتیجا اور

داماد تھا مگر وہ اپنے چچا جلال الدین خلجی سے بالکل مختلف تھا۔ وہ بڑا سخت بادشاہ تھا۔ اور اس نے حکومت کا کام بڑے اچھے ڈھنگ سے چلایا۔ ہندوستان پر آئے دن منگولوں کے حملے ہوتے رہتے تھے اس نے اپنی فوجی چوکیوں کو اتنا مضبوط بنایا کہ منگولوں کا خطرہ ختم ہوگیا۔ شراب پر پابندی لگادی خود بھی شراب پینی چھوڑ دی۔ امیروں اور درباریوں سے جائدادوں کو واپس لے لیا۔ ناچ گانے کی محفلوں پر بھی پابندی لگادی۔ وہ مجرموں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ شہزادے، امیر اور درباری اس کے ڈر سے ایک جگہ جمع نہیں ہوتے تھے۔ اس نے چاروں طرف مخبروں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ کوئی اس کے خلاف سازش کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ علاؤالدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جس نے راشننگ کا طریقہ جاری کیا اس نے کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتیں طے کردیں اور اناج کے بیچنے اور خریدنے کا انتظام سرکاری نگرانی میں لے لیا۔ ڈاک کے انتظام کو بہتر بنایا بہت سی خوب صورت عمارتیں اور سڑکیں بھی بنوائیں۔ بہت سے علاقوں پر حملہ کرکے ان کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا اور سلطنت کو بڑھایا۔ علاؤالدین خلجی پہلا سلطان تھا جس نے دکن پر حملہ کیا اور اس پر اپنا اثر قایم کیا۔ پہلی بار پورا شمالی ہندوستان دلّی سلطنت کے ماتحت آگیا۔

علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے گجرات پر حملہ کیا اور وہاں کے راجہ کرن کی بیٹی دیول رانی کو گرفتار کرکے دلّی بھیج دیا۔ یہاں بادشاہ کے بیٹے شہزادے خضر خاں کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس پر عاشق ہوگیا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر علاؤالدین اور اس کے درباری اس شادی کے خلاف تھے۔ بڑی مشکلوں کے بعد دونوں کی شادی ہوگئی۔ شہزادہ خضر خاں کی فرمائش پر امیر خسرو نے اس قصّے کو اپنی مشہور مثنوی میں بیان کیا ہے یہ مثنوی "دیول رانی خضر خاں" کے نام سے مشہور ہے۔

علاؤ الدین خلجی ایک اَن پڑھ بادشاہ تھا۔ اسے شعر و شاعری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی خسرو پر بھی اس نے کوئی خاص توجہ نہیں کی وہ اپنی نظموں میں سلطان کی بے توجہی کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر اُس کے زمانہ میں امیر خسرو برابر اپنے عہدہ پر قائم رہے۔ ان کے مرتبہ میں بادشاہ نے کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ اسی زمانہ میں امیر خسرو نے سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ انھوں نے نثر میں بھی ایک کتاب لکھی۔ یہ زمانہ امیر خسرو کی شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔

علاؤ الدین خلجی کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ خلجی بادشاہ بنا۔ یہ بادشاہ امیر خسرو پر کافی مہربان تھا۔ اس نے خسرو کی کافی قدر کی اور عزت بڑھائی۔ ایک دن اس کے دربار میں بہت سے شاعر اور ادیب جمع تھے۔ اس بات کا ذکر تھا کہ پرانے زمانے میں بادشاہ شاعروں کی کتنی قدر کیا کرتے تھے۔ مبارک شاہ نے کہا کہ ہم بھی ان پرانے بادشاہوں سے کم نہیں ہیں اور روپیہ کی بھی ہمارے پاس کمی نہیں۔ اگر کوئی شاعر ہماری حکومت کے واقعات کو نظم میں بیان کر دے تو ہم اس کو ہاتھی کے برابر سونا دیں گے۔ خسرو بھی وہاں موجود تھے۔ سلطان کا اشارہ خسرو ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ امیر خسرو نے مشہور مثنوی "نہ سپہر" لکھی جس میں مبارک شاہ خلجی کی حکومت کے حالات بیان کیے گیے ہیں۔ اس مثنوی کا تیسرا باب ہندوستان کی تعریف میں ہے اس کے صلہ میں سلطان نے خسرو کو ہاتھی کے برابر سونا دیا ہوگا۔ کتابوں میں ہاتھی کے برابر سونا تولنے کا طریقہ بھی لکھا ہے جو بڑا ہی دلچسپ ہے۔ پہلے ہاتھی کا وزن کیا گیا۔ دریا میں ایک کشتی ڈالی گئی اور کشتی پر ہاتھی کو سوار کیا گیا۔ ہاتھی کے وزن سے کشتی نیچے کو ہوئی۔ جہاں تک پانی نے کشتی کو چھوا وہاں نشان لگا دیا گیا۔ اس کے بعد اسی کشتی میں اتنا سونا بھرا گیا کہ پانی اس نشان تک پہنچ گیا۔ اس طرح سونے کا وزن ہاتھی کے وزن کا ہو گیا اور یہ سونا امیر خسرو کو دیدیا گیا۔ مگر خسرو نے اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھا بلکہ سب غریبوں اور فقیروں میں بانٹ دیا۔

مبارک شاہ خلجی کا زمانہ بڑی افراتفری میں ختم ہوا۔ اس کے آخری دور میں ملک کا انتظام ڈھیلا پڑ گیا اور خود سلطان عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت کے کاموں کی طرف سے لاپرواہ ہو گیا۔ اس کا ایک غلام خسرو خاں تھا وہ سلطان کا بہت منہ چڑھا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے اپنا اثر بڑھا لیا وہ سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ آخر کار ایک رات جب وہ سلطان کے ساتھ محل میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے سلطان کو قتل کر دیا۔ تن سے اس کی گردن الگ کر کے محل کی دیواروں سے نیچے پھینک دی اور اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

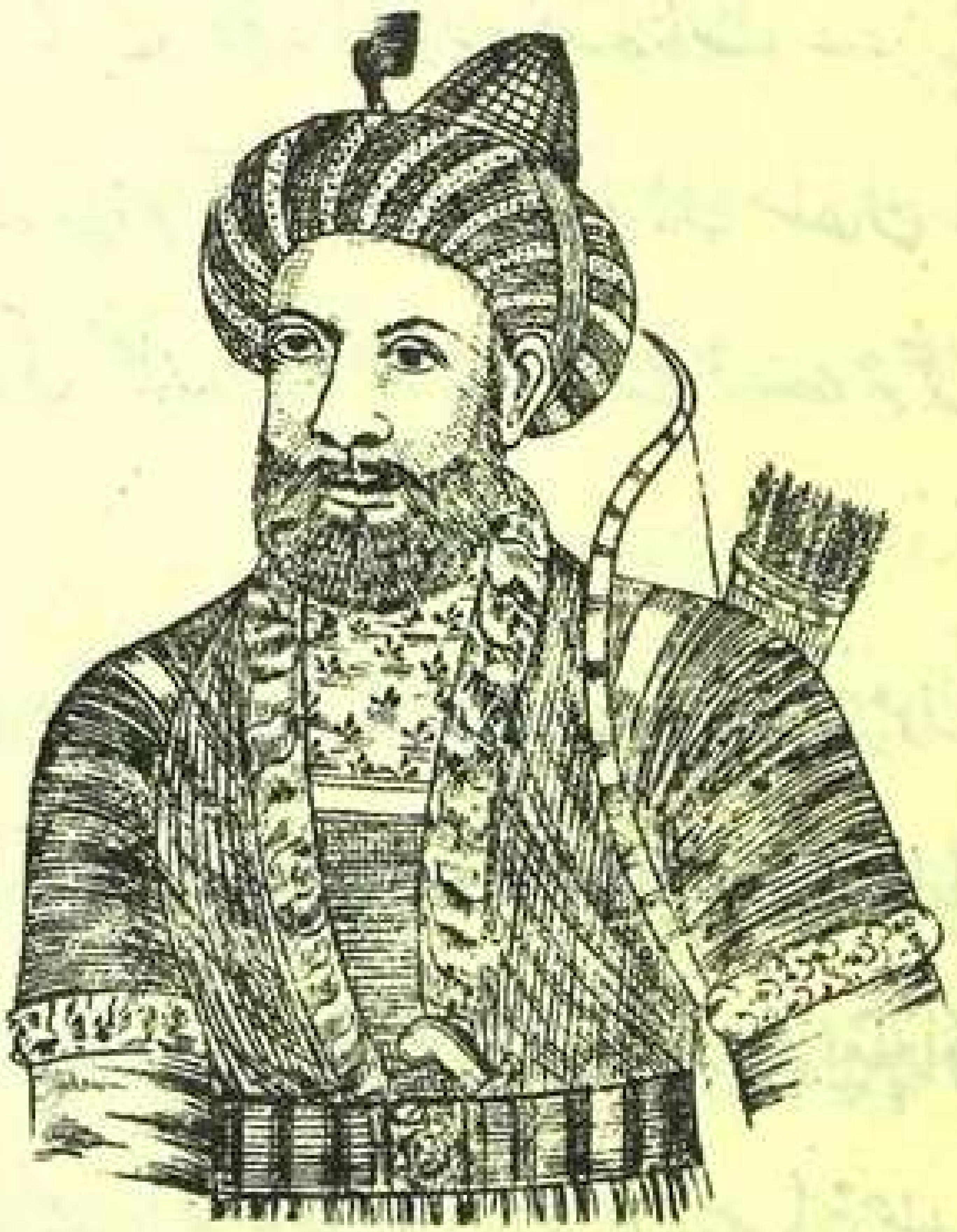

علاؤ الدین خلجی

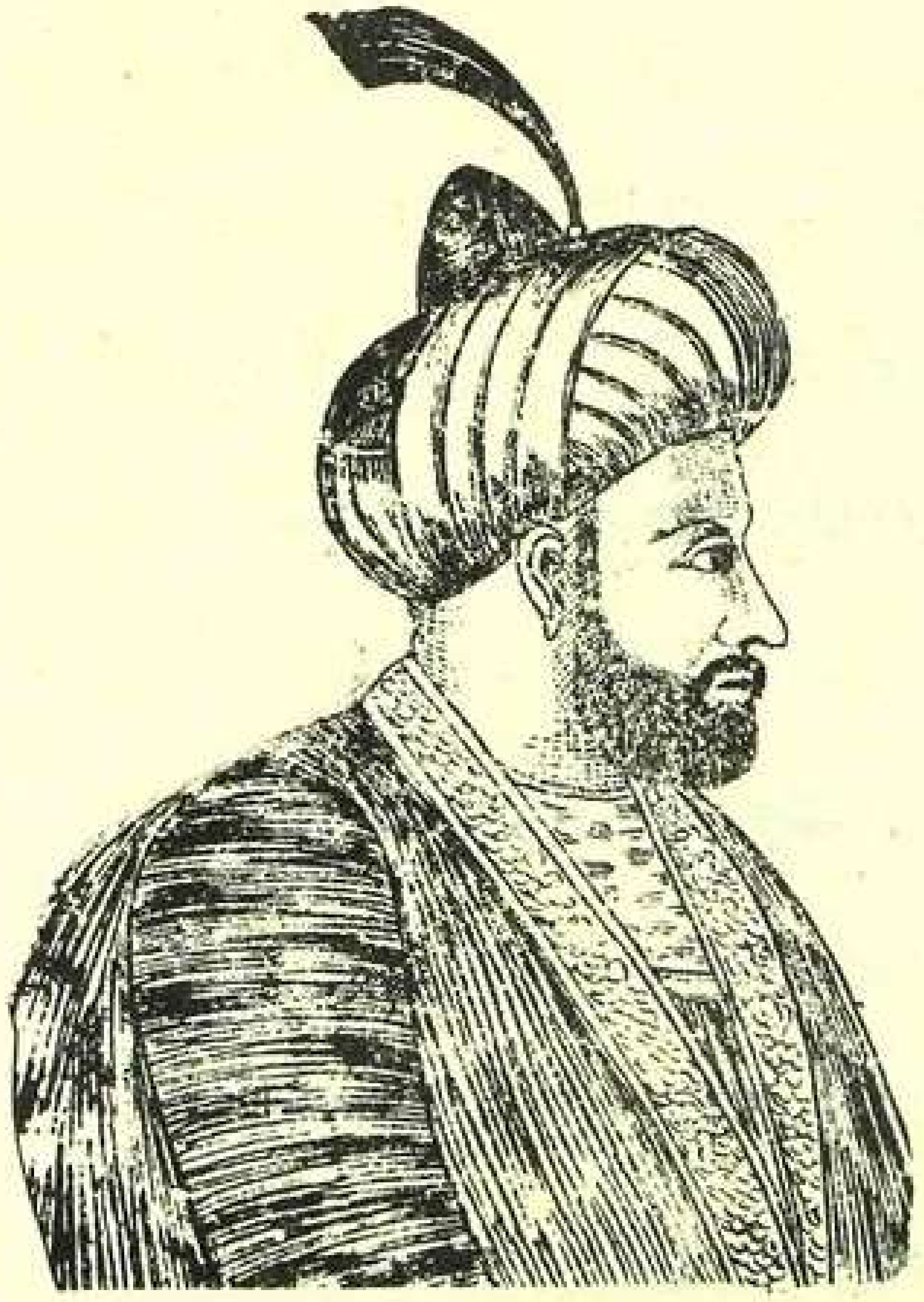

قطب الدین مبارک شاہ

چند ماہ اس کی حکومت رہی۔ دیپال پور کے گورنر غازی ملک نے اس کے خلاف چڑھائی کی۔ بہت سی فوج لے کر وہ دلّی کی طرف بڑھا۔ خسرو خاں بھی اپنی فوج کے ساتھ دلّی سے روانہ ہوا۔ بیاس دریا کے کنارے دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن خسرو خاں کی فوج ہار گئی اور خسرو خاں بھی جنگ میں مارا گیا۔

غازی ملک غیاث الدین تغلق کے نام سے دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ وہ تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ وہ ایک بہادر فوجی افسر اور نیک انسان تھا۔ اس نے امیر خسرو کی بھی دل سے قدر کی۔ اس کے زمانہ میں خسرو نے اپنی آخری تاریخی مثنوی تغلق نامہ لکھی۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے دلّی میں بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں۔ تغلق آباد کے نام سے ایک شہر آباد کرایا جنوبی دلّی میں اس شہر کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں ان کھنڈرات کے بیچ غیاث الدین تغلق کا شاندار مقبرہ آج بھی صحیح و سالم کھڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تغلق آباد میں سلطان نے اپنے رہنے سہنے کا جو محل بنوایا تھا اس کی دیواریں سونے کی تھیں اور ان میں بڑے بڑے حوض تھے۔ یہ شہر کئی میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

سلطان غیاث الدین تغلق ترہت اور سنار گاؤں پر قبضہ کرنے کے لیے دلّی سے روانہ ہوا۔ دلّی میں اس نے اپنے بیٹے جونا خاں (جو بعد میں محمد تغلق کے نام سے بادشاہ بنا) کو اپنا نائب بنایا اس کے بعد سلطان کو دلّی آنا نصیب نہیں ہوا۔ جب وہ اس مہم سے واپس لوٹا تو دلّی کے قریب اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ جب بادشاہ لڑائی سے واپس راجدھانی آتا تھا تو شہر سے باہر چند روز آرام کرنے کے لیے پڑاؤ ڈالتا تھا۔ اس کے بیٹے جونا خاں نے سلطان کے آرام کے لیے لکڑی کا محل بنوادیا تھا۔ سلطان اس محل میں آکر ٹھہرا رات کا کھانا کھانے کے بعد سلطان اپنے درباریوں سے

باتیں کر رہا تھا کہ محل کی چھت گر گئی اور سلطان دب کر مر گیا۔

حضرت نظام الدین اولیا اس زمانہ کے ایک بڑے صوفی بزرگ تھے اور امیر خسرو کے پیر۔ مگر سلطان غیاث الدین تغلق ان سے ناراض تھا۔ تم ان صوفی بزرگ کا حال آگے پڑھو گے۔

سلطان نے سفر پر جانے سے پہلے نظام الدین اولیا کو حکم دیا تھا کہ وہ دلّی سے چلے جائیں مگر نظام الدین اولیا نے ان کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ جب سلطان نے واپس آکر شہر کے باہر پڑاو ڈالا تو حضرت کے مریدوں نے کہا کہ سلطان قریب آگیا ہے اب وہ دلی سے کہیں چلے جائیں۔ اس پر حضرت نظام الدین اولیا نے یہ کہا: "ہنوز دلّی دور است" (دلّی ابھی دور ہے) اور اسی رات سلطان چھت گرنے سے مر گیا۔

غیاث الدین تغلق کے بعد اس کا بیٹا محمد بن تغلق (جونا خاں) دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ امیر خسرو نے اس سلطان کی تاج پوشی کا جشن اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا مگر اس کے دور میں وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے۔ امیر خسرو اب درباری زندگی سے اکتا چکے تھے وہ بوڑھے بھی ہو گئے تھے اس لیے وہ اپنا زیادہ تر وقت حضرت نظام الدین اولیا کے قریب گزارنا چاہتے تھے مگر جب ان کے پیر کا انتقال ہوا تو وہ دلّی میں نہ تھے۔ دلّی واپس آنے پر ان کی موت کی دردناک خبر سنی اور غم سے پاگل ہو گئے۔ ان کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، منہ پر خاک مل لی۔ اسی حالت میں اپنے پیر کی قبر پر پہنچے اور بے ساختہ یہ دوہا پڑھا

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

(گوری (نظام الدین اولیا) اپنے منہ پر بالوں کو بکھیرے سیج پر سو رہی ہے۔ اے خسرو اب اپنے گھر چل۔ چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا ہے)

اس سانحہ کے بعد امیر خسرو زیادہ دن تک زندہ نہیں رہے۔ نظام الدین اولیا کی موت کے چھ مہینے بعد ۱۳۲۵ء میں آخر کار ہندوستان کا یہ بے مثال سپوت بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

تم نے دیکھا امیر خسرو کتنے دلچسپ اور باکمال انسان تھے۔ وہ کتنے شہزادوں کے ساتھ رہے۔ کتنے ہی بادشاہوں کا زمانہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ زیادہ تر زندگی درباروں میں گزاری۔ کتنی ہی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ کتنے ہی بادشاہوں کے سر تن سے جدا ہوتے دیکھے۔ محلوں کی سازشوں کے کتنے ہی خونی ڈرامے ان کے سامنے کھیلے گئے۔ مگر ان کا کمال یہ تھا کہ وہ اس ہنگامہ کے بیچ رہتے ہوئے بھی اس سے الگ تھے۔ یہ ان کی زندگی کی کہانی تھی۔ اب ہم تمہیں ان کے دوسرے کارناموں کے بارے میں بتائیں گے۔

3

سماجی زندگی

امیر خسرو دربار میں رہتے تھے۔ اس زمانہ کے بڑے لوگوں سے ان کی دوستی تھی۔ ان کا زیادہ تر وقت سلطان، شہزادوں اور امیروں کے ساتھ گزرتا تھا۔ مگر وہ درباری زندگی سے خوش نہیں تھے۔ درباروں سے اکتاہٹ ان کے اس خط سے صاف ظاہر ہے جو انھوں نے اپنے ایک لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ اس میں انھوں نے اپنے لڑکے کو یہ نصیحت کی تھی کہ اُسے بادشاہوں اور امیروں کی صحبت سے بچ کر رہنا چاہیے۔ انھوں نے لکھا کہ لکڑی کے گٹھر کو اٹھانے کے لیے تو انسان کو صرف ایک سر چاہیے مگر بادشاہوں اور امیروں کے ساتھ رہنے کے لیے سینکڑوں ہزاروں یا ان سے بھی زیادہ سروں کی ضرورت ہے۔ اسی خط میں آگے چل کر انھوں نے لکھا کہ ایک مزدور یا چھوٹا دوکاندار دن بھر محنت مزدوری کرنے کے بعد رات کو آرام کی نیند سوتا ہے مگر جو لوگ بادشاہوں اور امیروں سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا سارا وقت ان کی خدمت میں حاضر رہنے میں گزارنا پڑتا ہے اور ساری زندگی یہی مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کو جو دولت ملتی ہے وہ بھی جائز طریقوں سے وصول نہیں ہوتی بلکہ ظلم و تشدد سے پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ امیر خسرو محنت اور مشقت کی کمائی پر زور دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں تمام محنت کش لوگوں کے لیے محبت اور عزت تھی، ان کے کہنے کے مطابق سخت مشقت سے انسان کے ماتھے پر جو پسینہ آتا ہے وہ کیمیا کی طرح ہوتا ہے۔

کچھ پیشوں کی انھوں نے مذمت کی مثلاً ہتھیار بنانے کا پیشہ۔ کیونکہ اس پیشہ کی وجہ سے تشدد اور قتل ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ انسان کو ایسا پیشہ اپنانا چاہیے جس سے انسانوں کا زیادہ سے زیادہ بھلا ہو اور جس سے نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچے اور نہ ہی کسی قسم کا ڈر پیدا ہو۔ اس سلسلے میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر خدا کی رحمت ہو جو اپنی محنت سے روزی کماتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے ضروری اشیاء پیدا کرتے ہیں۔

خاص طور پر درزیوں اور موچیوں کی انھوں نے خوب تعریف کی ہے کیونکہ درزی اپنی ساری زندگی لوگوں کا تن ڈھکنے کے لیے سلائی کرنے میں گذار دیتا ہے۔ وہ خود غرضی میں لوگوں کے کپڑے نہیں پھاڑتا اور موچی تو انسانوں کے آرام کے لیے اس قدر کام کرتا ہے کہ جوتے بنانے کے لیے اپنے دانتوں تک سے چمڑے میں چھید کرتا ہے۔

عورتیں ان سے ہنسی مذاق کرتیں۔ بچے ان کے ساتھ کھیلتے وہ غریبوں اور فقیروں کا سہارا تھے گھر سے نکل جاتے اور کئی کئی دن غریبوں و فقیروں میں گزارتے۔ دربار سے انھیں جو کچھ ملتا وہ سب غریبوں میں بانٹ دیتے، اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتے۔ دربار سے خانقاہ جاتے وقت بچے اور بڑے انھیں گھیر لیتے۔ ان سے شعر سنتے۔ وہ دلچسپ باتیں کرنا جانتے تھے۔ ان کو بہت سے ہنر آتے تھے۔ وہ ہر قسم کا ساز (باجا) بجا لیتے تھے۔ خود بہت اچھا گاتے تھے، ڈھکوسلے مکرنیاں اور پہیلیاں گھڑنے میں ان کو مہارت تھی۔ لوگوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ اپنی انھی خوبیوں کی وجہ سے وہ عوام میں مقبول تھے۔ نہ صرف درباروں میں ان کی عزت تھی بلکہ گلی کوچوں میں بھی عام لوگ ان کو عزت دیتے تھے۔

امیر خسرو کے ایک دوست امیر حسن تھے۔ وہ بھی شاعر تھے اور ان کے ساتھ کئی شہزادوں کے دربار میں رہ چکے تھے۔ امیر حسن بچپن میں ایک نان بائی کی دکان پر کام کرتے تھے۔ ایک دن امیر خسرو کی ان سے ملاقات ہو گئی وہ

امیر حسن کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور دونوں میں دوستی ہوگئی، بعد میں امیر حسن بھی حضرت نظام الدین اولیا کے مرید بن گئے۔

ضیاء الدین برنی اس زمانے کے بہت بڑے مورخ تھے۔ وہ بھی امیر خسرو کے دوست تھے۔ برنی نے اپنی تاریخ میں امیر خسرو کا ذکر بڑی عزت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ وہ خسرو کے بارے میں لکھتے ہیں: ”سلطان علاؤالدین خلجی کے دور میں ایسے بہت سے بے مثال شاعر تھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے اور نہ آج تک پیدا ہوئے۔ ان سب میں امیر خسرو خیالات کے نئے پن اور شعروں کی کثرت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ نظم و نثر کے استاد صرف شاعری کی کسی ایک قسم میں مہارت رکھتے ہیں لیکن اس کے برخلاف امیر خسرو شاعری کی ہر قسم میں کمال رکھتے تھے ایسا باکمال شاعر جو شاعری کی تمام قسموں پر قدرت رکھتا ہو نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا۔ ان کی ذہانت قابلیت اور علم و فضل کے علاوہ وہ ایک صوفی بھی تھے ہر روز روزہ رکھتے تھے، اپنا زیادہ تر وقت قرآن خوانی، فرض اور نفل نماز پڑھنے میں گزارتے تھے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے خاص مرید تھے۔ اپنے پیر کا اس قدر مخلص اور سچا عقیدت مند میں نے نہیں دیکھا۔ ان کو پیر کا پیار بھی بھرپور ملا تھا۔ ان کی زندگی عبادت میں بسر ہوتی تھی۔ موسیقی اور گانے میں بھی ان کا جواب نہیں تھا۔ خدا نے ان کو ایک فن کار اور مہذب انسان کی تمام صفات دی تھیں۔ درحقیقت امیر خسرو ایسے عجیب و غریب انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ امیر خسرو اور ان کے ایک دوسرے دوست اور صوفی شاعر امیر حسن سے میری گہری دوستی تھی۔ وہ میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتے تھے اور ان کے بغیر مجھے چین نہیں ملتا تھا۔ میری وجہ سے ان دونوں میں بھی دوستی ہوگئی تھی اور وہ اکثر ایک دوسرے کے گھر بھی جایا کرتے تھے۔“

حضرت نظام الدین اولیا پیر ہونے کے ساتھ ساتھ امیر خسرو کے دوست بھی تھے وہ ان سے

راز کی باتیں بھی کرتے تھے۔ خانقاہ میں رہنے والے اپنی شکایتیں اور داد فریاد امیر خسرو کے ذریعہ ہی پیر تک پہنچاتے تھے۔ آپسی لڑائی جھگڑے ان کے مشوروں سے طے پاتے تھے۔ شاہی دربار اور خانقاہ کا تعلق امیر خسرو کے ذریعہ ہی قایم تھا۔ وہ بادشاہوں کے پیغام بھی لے کر آتے تھے۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان کے نانا عماد الملک سلطان بلبن کے وزیر جنگ تھے۔ ان کا کام سلطنت کے راجاؤں اور جاگیرداروں سے حکومت کا تعلق بنائے رکھنا تھا۔ ان کی مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنا تھا۔ یہ بڑا اہم کام تھا سلطان اور رعایا کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنا اس وقت کی بڑی ضرورت تھی۔ امیر خسرو کے نانا عماد الملک کے گھر پر ہندو راجے مہاراجے ہندو سوداگر اور زمیندار سبھی آتے جاتے رہتے تھے۔ امیر خسرو کو ان کی باتیں سننے کا موقع ملا اور اس ماحول نے ان کے دل و دماغ پر اپنی چھاپ لگائی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر خسرو میں مذہبی تعصب نام کو نہیں تھا۔ وہ سب مذہبوں کی عزت کرتے تھے، خاص طور پر ہندو مذہب کی ان کے دل میں بڑی قدر تھی۔

امیر خسرو کو اپنے بھائیوں سے بڑی محبت تھی۔ اپنے ایک بھائی کی موت پر انہیں بڑا دکھ ہوا۔ اس کا ذکر وہ اپنی نظم میں بڑے درد بھرے انداز میں کرتے ہیں۔ انھوں نے شادی بھی کی تھی۔ ان کے چار بچے تھے، ان کے دو بچے ان کی زندگی ہی میں چل بسے تھے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی بعد تک زندہ رہے۔ بیٹی کے لیے نظم میں نصیحتیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی شاعری سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے سب لوگوں سے محبت رکھتے تھے۔ وہ ایک شوہر ایک باپ اور ایک بیٹے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک درد مند دل تھا۔ وہ جہاں جاتے تھے محبت اور خوشی کے پھول بکھیرتے جاتے تھے۔ ان کا نجی جیون بڑا سادہ تھا۔ وہ بہت ٹھاٹ باٹ سے نہیں رہتے تھے۔ اگرچہ دربار میں نوکری کرتے تھے مگر

ہمیشہ غریبی و مفلسی کی زندگی گزارتے۔ انھوں نے اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنوایا۔ عیش کا کوئی سامان نہیں خریدا۔ وہ اپنے زمانہ کی سماجی و تہذیبی زندگی میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔ اس زمانہ میں سنگیت کا بڑا چرچا تھا۔ بڑے بڑے سنگیت کار دربار میں جمع تھے۔ ان میں گوپال نائک کا نام کافی مشہور تھا وہ سنگیت کا راجہ مانا جاتا تھا۔ امیر خسرو کی اس سے دوستی تھی۔ سنگیت میں وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کر چکے تھے۔ اس زمانہ میں ایران و خراسان سے بھی سنگیت کار، فن کار، ادیب اور شاعر آتے رہتے تھے۔ امیر خسرو کو ان سے بھی ملنے کا موقع ملتا تھا۔

جب امیر خسرو کی شہرت آسمان کو چھو رہی تھی اس وقت ایران کے مشہور شاعر شیخ سعدی بھی زندہ تھے ان کے کانوں تک بھی امیر خسرو کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ سلطان بلبن کے بیٹے شہزادہ محمدؒ نے شیخ سعدی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی مگر شیخ نے جواب میں لکھا کہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے مجبور ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے دربار میں جب امیر خسرو جیسا شاعر موجود ہے تو ان کی پھر کیا ضرورت ہے۔

ان کے زمانہ میں ایک عورت تھی جو ساقن چمّو کے نام سے مشہور ہے۔ وہ بھنگ بیچتی تھی۔ وہ امیر خسرو سے محبت کرتی تھی ان سے شعر سنا کرتی تھی ایک دن اس نے خسرو کو بازار میں روک کر کہا کہ "آپ دنیا جہاں کے بارے میں شعر کہتے ہیں میرے بارے میں بھی کوئی شعر کہہ دیجیے" خسرو نے اسی وقت اس کی تعریف میں یہ ڈھکوسلا گھڑ کر سنا دیا:

اوروں کی چو پہری باجے چمو کی اٹھ پہری
باہر کا کوئی آئے نا ہیں آئیں سارے شہری
صاف صوف کر آگے راکھے جس میں نا ہیں توسل
اوروں کے جہاں سینک سمائے چمّو کے واں موسل

(اس زمانہ میں بادشاہ کے یہاں چوپہری نوبت بجاکرتی تھی۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ چھجو تو بادشاہ سے بھی بڑھ گئی کہ اس کے یہاں اٹھ پہری نوبت بجتی ہے۔ جنگلی گنواروں کا کام نہیں سفید پوش لوگ آتے ہیں وہ بھانگ کا صاف پیالہ حاضر کرتی ہے۔ جس میں نہ تس نہ تنکا۔ بھنگڑ فخر سے کہا کرتے ہیں کہ وہ ایسی گاڑھی، بھنگ پیتا ہے کہ اس میں بینک کھڑی رہے لیکن چھجو کی بھنگ تو ایسی ہے کہ اس میں گاڑھے پن کی وجہ سے موسل کھڑا رہے)

وہ بچوں سے بھی بے حد پیار کرتے تھے اور بچے بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ بچوں کے لیے انھوں نے بہت سی پہیلیاں بھی لکھی ہیں۔ دیکھو یہ کیسی دلچسپ پہیلی ہے۔

نر سے پیدا ہووے نار   ہر کوئی اس سے رکھے پیار
ایک زمانہ اس کو کھاوے   خسرو پیٹ میں وہ نہ جاوے

تم اس کی بوجھ تو بتلا ہی دو گے۔ وہ ہے قسم۔ ان کی ایک اور دلچسپ اور مشہور پہیلی ہے۔

فارسی بولی آئی نہ   ترکی بولی پائی نہ
ہندی بولوں آرسی آئے   خسرو کہے کوئی نہ بتائے

اس پہیلی کی بوجھ ہے آئینہ جس میں تم اپنا منہ دیکھتے ہو۔ آگے اسی کتاب میں تم ان کی دوسری بہت سی پہیلیاں پڑھو گے۔

امیر خسرو بڑے زندہ دل انسان تھے۔ انہیں گھومنے پھرنے اور سیر و تفریح کا بھی بہت شوق تھا۔

ایک بار وہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں پیاس لگی۔ سامنے کنواں نظر آیا جس پر چار عورتیں پانی بھر رہی تھیں وہ کنویں پر پہنچے۔ ان میں سے ایک عورت نے پہچان لیا کہ خسرو ہیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ خسرو سے کچھ سنیں گے۔

ان میں سے ایک نے خسرو سے کہا "پہلے کھیر کی بات سناؤ تب پانی پلائیں گے۔"

دوسری بولی "نہیں پہلے چرخے کی بات سناؤ۔"

تیسری نے کہا "میں تو ڈھول کی بات سنوں گی"

چوتھی بولی "نہیں کتے کی بات سناؤ۔"

عورتوں نے پانی نہیں پلایا۔ مجبوراً خسرو نے کہا "اچھا بھئی میں الگ الگ سب کی بات کیسے سناؤں۔ سب کی ایک ہی بات سنا دیتا ہوں اور وہیں کھڑے یہ تُک ملادی۔

کھیر پکائی جتن سے اور چرخا دیا چلا
آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا۔ لا پانی پلا

بسنت پنچمی کا تہوار تو تم ہر سال مناتے ہی ہو۔ دلّی میں یہ تہوار کچھ زیادہ ہی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن کالکا جی کے مندر پر بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ اس کی رونق دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ بسنت پنچمی کے اس تہوار سے امیر خسرو کی وابستگی کے بارے میں ایک تاریخی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا کی بہن کے نواسے سید تقی الدین جوانی میں ہی مر گئے۔ نظام الدین اولیا کو اس نوجوان سے بڑی محبت تھی۔ ان کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا اور وہ ہر وقت اس کے غم میں ڈوبے رہنے لگے۔ چھ مہینے تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی تک نہیں آئی۔ یہ دیکھ کر ان کے مریدوں اور خاص طور پر امیر خسرو کو بڑی فکر ہوئی۔ امیر خسرو اپنے پیر کا دل بہلانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ بسنت پنچمی کا دن تھا۔ کالکا جی کے مندر پر میلہ لگا ہوا تھا۔ دیوی پر سرسوں کے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ امیر خسرو ادھر سے نکلے اور یہ نظارہ دیکھا۔ انھوں نے سر پر اپنی پگڑی کو ذرا ٹیڑھا

کیا۔ اس میں سرسوں کے پھول لگائے۔ بانکپن اور ایک خاص ادا کے ساتھ غزل گاتے ہوئے اپنے پیر کے پاس پہنچے۔ حضرت نظام الدین نے خسرو کی یہ عجیب و غریب حالت دیکھی تو مسکرا دیئے۔ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اس وقت ٹولی بنا کر قوال اور مرید خسرو کی غزل گاتے ہوئے حضرت کے ساتھ ان کے نواسے تقی الدین کی قبر پر پہنچے اور وہاں دیر تک قوالی کی محفل جمی رہی۔

رنج اور غم کی فضا خوشی میں بدل گئی تب سے بسنت پنچمی کے میلے پر درگاہ حضرت نظام الدین اولیا اور دوسرے مزاروں پر قوال امیر خسرو کا کلام گاتے ہیں۔ مزار پر سرسوں کے پھول چڑھاتے ہیں۔ امیر خسرو کی وہ غزل جو انھوں نے اس موقع پر کہی تھی اب اس کا صرف ایک شعر ہی ملتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے :۔

اشک ریز آمدہ ابر و بہار
ساقیا گل بریزد بادہ بیار

(بادل اور بہار آنسو بہانے آگئے ہیں۔ ساقیا تو بھی پھول بکھیر اور شراب لا)

حضرت نظام الدین کے ایک مرید شیخ برھان الدین غریبؔ تھے۔ ان کے خلاف لوگوں نے حضرت سے یہ شکایت کی وہ کمبل بچھا کر بیٹھتے ہیں اور مریدوں سے نذرانے وصول کرتے ہیں یہ سن کر حضرت نظام الدین کو بڑا دکھ ہوا شیخ برھان الدین غریب جب خانقاہ میں حضرت سے ملاقات کرنے آئے تو انھوں نے منہ پھیر لیا اور شیخ برہان الدین سے بات نہیں کی۔ وہ اپنے پیر کی ناراضگی سے بہت پریشان ہوئے۔ امیر خسرو سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ خسرو کو ان کی حالت پر رحم آگیا اپنی پگڑی کھول کر شیخ برھان الدین کے گلے میں ڈالی اور انہیں اسی حالت میں حضرت کے پاس لے گئے۔ حضرت وضو کر رہے تھے۔ وضو کرنے میں سر پر ٹوپی ٹیڑھی ہوگئی تھی امیر خسرو نے انہیں دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

ہر قوم است راہے، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

(یعنی ہر قوم کا اپنا ایک دین اور ایک قبلہ ہوتا ہے مگر میں نے تو اس ٹیڑھی ٹوپی والے یعنی حضرت نظام الدین کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے) حضرت نظام الدین نے نظر اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور مسکرائے فوراً ہی سمجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے اور انھوں نے شیخ برہان الدین کی خطا معاف کر دی۔

امیر خسرو کو ہندوستان کا پہلا عوامی شاعر کہتے ہیں۔ انھوں نے عوام کی زبان میں سیدھے سادے گیت لکھے پہیلیاں ومکرنیاں اور ڈھکوسلے لکھے۔

غرض ان کا جیون اس زمانہ کے ہندوستانی سماج کا سچا عکس تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہندستان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اگلے باب میں تم ان کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں پڑھو گے۔

4

ہندوستان سے محبت

امیر خسرو دو تہذیبوں کا سنگم تھے ۔ تم پڑھ چکے ہو کہ ان کے باپ ترک تھے ۔ مگر ان کی ماں ایک ہندوستانی خاتون تھیں ۔ اس لیے امیر خسرو کی زندگی اور شاعری میں ایک ملی جلی تہذیب کی بھرپور جھلک ملتی ہے ۔ اس وقت یہ تہذیب پوری طرح ترقی نہیں کر پائی تھی اور ابتدائی حالت میں تھی ۔ امیر خسرو پہلے ہندوستانی مسلمان شاعر ہیں جنھوں نے اس ملی جلی تہذیب کو آگے بڑھایا ۔ ان کی زندگی اور شاعری دونوں میں ہندوستان سے گہری محبت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ۔

مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں :

امیر خسرو کی کتابوں کو پڑھ کر ہندوستان کی تیرھویں اور چودھویں صدی کی ایسی تصویر سامنے آتی ہے جس میں ملک کی ملواں جلواں تہذیب کے نقش صاف نظر آتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہندوستانی مسلمان عالم، شاعر اور ادیب اس زمانے میں کیسے جذبے کیسے خیال رکھتا تھا ۔ اسے ہندوستان کے ساتھ کیسی والہانہ محبت تھی اور وہ کس طرح اپنے ملک کو دوسرے ملکوں سے بڑھ کر سمجھتا تھا اس کے دل و دماغ پر ہندوستان کا کتنا گہرا اثر تھا اور ہندوستان کی فضا کس قدر اس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی ۔"

امیر خسرو کو ہندوستان سے محبت تھی ۔ ان کی نظموں غزلوں اور مثنویوں میں ہندوستان سے محبت کی مثالیں بکھری پڑی ہیں ۔ وہ فارسی اور عربی کے عالم تھے مگر ہندوستان کی دوسری زبانیں

بھی جانتے تھے۔ انھوں نے پہلی بار اپنے زمانہ میں بولی جانے والی عوامی زبان میں شاعری کی۔ اس زبان کو وہ ہندوی زبان کہتے تھے۔ اس زبان نے آگے چل کر ہندی اُردو اور ہندوستانی کا روپ اختیار کیا۔

امیر خسرو کو اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر تھا۔ اس لیے ہندوی زبان میں بولنا اپنے لیے شان کی بات سمجھتے تھے وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں :

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب   شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

(میں ہندوستانی ترک ہوں اور ہندوی زبان میں بات کرتا ہوں۔ عربی میں بات کرنے کے لیے میرے پاس مصری شکر نہیں ہے)

اس بات کو ایک دوسرے شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

چوں من طوطی ہندم ازراست پرسی   زبانِ ہندوی پرس تا نغز گویم

(اگر سچ پوچھو تو میں ہندوستان کا طوطی ہوں۔ اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں میٹھی میٹھی باتیں کروں تو مجھ سے ہندوی میں بات کرنے کے لئے کہو)

امیر خسرو نے ہندوستان کو خوب گھوم پھر کر دیکھا۔ یہاں کے لوگوں سے ملے اور ان میں خوب گھل مل گئے۔ وہ بنگال بھی گئے انھوں نے سندھ اور ملتان کی بھی سیر کی۔ انھوں نے دیوگیر بھی دیکھا۔ وہ یہاں کے دیہاتوں میں گھومے۔ لوگوں کے رسم و رواج کو سمجھا۔ بدلتے ہوئے موسم دیکھے۔ انھیں ہر چیز بڑی خوب صورت لگی۔ یہاں کے پرندوں اور جانوروں نے ان کا دل بھایا۔ ہندوستانی پھلوں اور پھولوں کے وہ عاشق بن گئے۔ اپنے شعروں میں انھوں نے ان سب چیزوں کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ بات کچھ بھی ہو وہ ہندوستان کی تعریف کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ وہ ہندوستان سے محبت کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مجھے اپنے ملک سے اس لیے محبت ہے کہ ایک تو یہ میرا وطن ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر حضرت محمدؐ نے بھی کہا ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا حصّہ ہے۔" وہ ہندوستان کو اس دنیا کی جنت کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب خدا نے حضرت آدم کو زمین پر بھیجنے کا حکم دیا تو انھیں ہندوستان ہی کی سرزمین پر بھیجا گیا۔ اس لیے بھی وہ ہندوستان کو جنت سمجھتے ہیں کہ یہاں سانپ اور مور پائے جاتے ہیں جو جنت کے جانور ہیں امیر خسرو ہندوستان کو روم، خراساں، عراق اور قندھار سے بڑھ کر بتاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

"لوگوں پر یہاں کی سردی کا اثر نہیں پڑتا۔ جاڑوں میں بھی یہاں کا آدمی ہلکا سا کپڑا پہن کر اپنے آپ کو شیر کی طرح گرم محسوس کرتا ہے۔ یہاں گرمی کا موسم بھی اتنا سخت نہیں ہوتا کہ لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو۔ ہندوستان کی آب و ہوا ایسی خوش گوار ہے کہ کپڑوں کے لیے غریب آدمی کو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا اور وہ معمولی کمبل میں بھی گزر کر لیتا ہے۔ ایک گڈریا پھٹی پرانی چادر اوڑھ کر چراگاہ میں راتیں بتا لیتا ہے۔ یہاں کے برہمن ہر صبح ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں...... ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ سدا بہار ہے جہاں بارہ مہینے پھول کھلے رہتے ہیں۔ خراساں اور دوسرے ملکوں میں یہ خوبیاں نہیں ہیں۔ ان ملکوں میں پھول ایک دو ہفتے اپنی بہار دکھا کر ایسے چلے جاتے ہیں جیسے کسی پُل کے نیچے سے برسات کا پانی۔"

وہ آگے کہتے ہیں:

"خراساں کے پھولوں میں وہ خوشبو کہاں جو یہاں کے پھولوں میں ہے۔ وہاں کے پھول مرجھائے اور خوشبو غائب۔ اس کے علاوہ ان کے یہاں پھلوں میں صرف امرود اور انگور ہیں۔ یہاں یہ پھل تو ہیں ہی ان کے علاوہ دوسرے بہت سے پھل بھی ہیں۔ آم کو لے لو اس کے مقابلہ کا کوئی

دوسرا پھل نہیں۔ پھر الائچی لونگ اور کافور کا جواب نہیں۔ ان کے یہاں کے سبھی پھل ہمارے یہاں پائے جاتے ہیں مگر ہمارے یہاں کے پھل وہاں نہیں ہیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس کے علاوہ ہمارے یہاں ایسے دو پھل ہیں جو دنیا بھر اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ ان میں ایک غریبوں کا پھل کیلا ہے دوسرا پان ہے جسے لوگ پھل کی طرح بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ پان کی برابری کرنے والی کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے جس کا کھانا امیروں اور غریبوں میں ایک فیشن بن گیا ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنا کر اس کا درجہ اور بھی بڑھا دیا ہے۔"

آگے چل کر وہ آم کا مقابلہ انجیر سے کرتے ہیں اور انجیر کو آم سے بہتر بتانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خسرو ہندوستان کے پھولوں کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ ایک ایک کا نام لے کر تعریف کرتے ہیں۔ سوسن۔ سمن، کبود، بیلا گل زریں، گل سرخ، مولسری، گلاب، ڈھاک، چمپا، جوہی، کیوڑا، بیوتی، کرنا، نیلوفر ان سب پھولوں کی تعریف کرتے ہیں۔ خسرو نے چمپا کو پھولوں کا سرتاج کہا ہے۔ وہ اس پھول کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"اس پھول کی خوشبو ایسی ہوتی ہے جیسے شراب میں کسی نے مشک ملا دیا ہو یہ چنبیلی جیسے بدن والے معشوقوں کی طرح نازک ہوتا ہے۔ اس کا رنگ عاشقوں کے چہروں کی طرح زرد ہوتا ہے۔"

اس طرح وہ ہر پھول کی تعریف کرتے ہیں۔

امیر خسرو کا خیال ہے کہ جس طرح ہندوستان کے پھول سب سے اچھے ہوتے ہیں اس طرح ہندوستان کی عورتیں بھی دوسرے ملکوں کی عورتوں سے زیادہ خوب صورت اور حسین ہوتی ہیں۔ وہ ہر ملک کی عورتوں میں کوئی نہ کوئی برائی نکالتے ہیں۔ خراسان کے حسین سُرخ و سفید ضرور ہوتے ہیں

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (H

لیکن ان کے جیسے پھول ہیں ویسے ہی حسین بھی یعنی صرف رنگت ہی رنگت ہے خوشبو نہیں۔ عورتوں کے معاملہ میں ملک چین بھی ہندوستان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ روس اور روم کا حال مت پوچھیے۔ وہاں کی عورتیں برف کی سلّی کی طرح سفید اور ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ تاتاری عورتوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں ہوتی۔ سمرقندی اور قندھاری عورتوں میں مٹھاس کی کمی ہے۔ مصریوں میں چستی و چالاکی کی۔ غرض کہیں بھی وہ دلربائی اور حسن نہیں جو ہندوستان کی عورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

خسرو دلّی اور یہاں کی عمارتوں کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ انھیں دلّی سے بے حد محبت ہے۔ وہ کہیں بھی ہوں دلّی انھیں یاد آتی رہتی ہے۔ اس شہر کو سمرقند و بخارا بغداد و تبریز سے بھی بڑھ کر بتاتے ہیں۔ جامع مسجد کا کعبہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قطب مینار آسمان پر پہنچانے والی سیڑھی ہے۔ اس کے بعد حوض خاص کی تعریف کرتے ہیں۔ یہاں کے رہنے والوں کا جواب نہیں۔ یہاں کا انصاف ساری دنیا میں مشہور ہے۔

اس کے بعد ہندوستانی کپڑوں کی تعریف کرتے ہیں۔

"پھولوں جیسی نازک اور حسین عورتیں جانتی ہیں کہ دیوگیر کا کپڑا باریک ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ریشم کا بنا کپڑا اتنا مہین اور باریک ہوتا ہے کہ ظاہر اطور پر تو وہ ایک گز کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے دس خیمے لگائے جا سکتے ہیں۔" ایک دوسرے کپڑے کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اس میں سے نہ پانی نکل سکتا ہے نہ کسی قسم کی چکنائی گزر سکتی ہے اور نہ جنگی تیر اس میں سے پار ہوسکتا ہے۔ ایک اور کپڑا ہے اگر اسے ناخن میں بھی لپیٹ لیا جائے تو چھپا رہتا ہے۔ اگر اسے کھولیں تو ساری دنیا کو ڈھانپ لے۔"

انھوں نے اپنے زمانہ میں بولی جانے والی زبانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ عربی۔ فارسی اور

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

اور ہندوی زبانیں تو جانتے ہی تھے لیکن انھیں دوسری ہندوستانی زبانوں سے بھی تھوڑی بہت واقفیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں ”ان میں سے کچھ کو جانتا ہوں۔ کچھ سے معمولی واقفیت ہے۔ کچھ میں شاعری کرتا ہوں اور ان میں سے زیادہ تر سے میں نے علم کی روشنی حاصل کی ہے۔“ جن زبانوں کا خسرو نے ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ سندھی، لاہوری (پنجابی)، کشمیری (کناری)، دوار سمندری (تامل)، معبر (آندھرا)، گوری (بہاری)، بنگالی اور دھلوی (ہندوی)، یہ زبانیں آج بھی بولی جاتی ہیں۔ وہ سنسکرت کا بھی ذکر کرتے ہیں ”یہ برہمنوں کی زبان ہے۔ عام لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ سنسکرت فارسی سے بڑھ کر ہے۔ لیکن اس کا درجہ عربی کے برابر ہے۔ ہر برہمن اس کی حدوں سے واقف نہیں۔ اس میں چار وید ہیں اور ہندوؤں کے علم کا خزانہ بھی۔“

امیر خسرو ہندوستان کے علم و فن کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ ہندوستان کے پنڈتوں کی عقل اور سمجھ کو ساری دنیا کے عالموں سے زیادہ بتاتے ہیں۔ ہندوستان فلسفہ میں روم اور یونان سے بھی بڑھ کر ہے۔ نجوم میں وہ ارسطو سے بھی بازی لے گیا۔ ایک عرب نجومی ابو معشر کا ذکر کرتے ہیں جو دس برس ہندستان میں رہا اور بنارس میں علم نجوم سیکھتا رہا۔ حساب بھی ہندوؤں کی ایجاد ہے۔ صفر کی ایجاد بھی انھوں نے ہی کی ہے۔ آسا نامی ایک پنڈت نے صفر ایجاد کیا۔ اس کے نام کے آگے ہند لفظ جوڑنے سے ہندآسا یعنی علم ہندسہ بنا۔ یونان و روم کے عالم اس کے شاگرد تھے۔

غرض امیر خسرو ہندوستان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ وہ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اپنے ملک کی بڑائی ثابت کرنے میں پورا زور لگا دیتے ہیں۔ ہندوستان کی بڑائی کی ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ یہاں امیر خسرو جیسا بڑا شاعر پیدا ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کلیلہ و دمنہ (پنچ تنتر) جیسی کتاب لکھی گئی جو علم و عقل کا خزانہ ہے۔ وہ ہندوستانی کھیل شطرنج کی بھی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ یہ کھیل بھی

ہندوستان کی ہی ایجاد ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے کھیلنے سے طبیعت بہلتی ہے اور سوچنے کی قوت بڑھتی ہے۔ امیر خسرو کو ہندو مذہب سے بھی محبت ہے ۔ وہ اس کی عزت کرتے ہیں ۔ ان کے خیال میں ہندو مذہب اور اسلام میں بہت سی باتیں ایک سی ہیں ۔ ہندو ایک خدا کو مانتے ہیں اور مسلمان بھی ۔

انہیں ہندوستانی تہذیب و تمدن سے بھی بڑا لگاؤ ہے ۔ وہ سچے دیش بھگت ہیں ۔ وطن کی محبت ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے وہ ہندوستان کی محبت میں یہاں تک بڑھ گئے کہ ستی جیسی خراب رسم میں بھی انھیں خوبیاں نظر آتی ہیں ۔ ستی کے بارے میں ان کا یہ شعر کیا خوب ہے ۔

اگرچہ در اسلام روا نیست چنیں
لیک چوبس کار بزرگست بہ بیں

(یہ رسم اگرچہ اسلام میں جائز نہیں ہے مگر یہ تو دیکھو کہ کام کتنی بہادری کا ہے) وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہندو مذہب اور ہندو رسم و رواج کی زیادہ تعریف کرنے سے ڈرتا ہوں کیونکہ مجھ پر کافر ہونے کا الزام آجائے گا ۔

امیر خسرو مذہب کے معاملہ میں تنگ دل و تنگ نظر نہ تھے ۔ وہ بڑے کھلے دل کے آدمی تھے وہ سب دھرموں کا آدر کرتے تھے ۔ دیکھئے وہ اپنے اس شعر میں کیسی خوب صورت بات کہتے ہیں ۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے، آرے، می کنم با خلق و عالم کار نیست

(لوگ کہتے ہیں کہ خسرو بتوں کی پوجا کرتا ہے ۔ ہاں ۔ ہاں ۔ کرتا ہوں ۔ مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں ہے)

اسی طرح کا ایک دوسرا شعر ہے ۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(میں تو عشق کا کافر ہوں۔ مجھے مسلمانی کی ضرورت نہیں۔ میرے جسم کی ہر رگ تار بن گئی ہے، اس لیے مجھے زنار یعنی جنیئو کی ضرورت نہیں۔ یعنی میں تو سچے مذہب کا ماننے والا ہوں۔ مجھے ظاہری رسم ورواج کو اپنانے کی ضرورت نہیں)

امیر خسرو کی رائے میں ہندوستانی دوسرے ملکوں کے لوگوں سے زیادہ سمجھدار اور عقل مند ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ دوسرے ملکوں کی زبانوں کو جلدی سیکھ لیتے ہیں جب کہ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو ہندوستانی زبانیں سیکھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں خراساں، عراق، شیراز، بغداد اور ترکی کے لوگ یہاں آتے ہیں تو مجلسوں میں بہت کچھ بولتے ہیں اور چھا جاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی ہی زبان میں بولتے اور شعر کہتے ہیں۔ ہندوستانی زبان بولتے ہوئے تو ان کی زبان ہکلاتی ہے۔ لیکن ہندوستان کے لوگ باہر جاتے ہیں تو وہاں کی زبان میں بات کرتے ہیں اسی میں نظم ونثر لکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عربی میں ایسے شعر کہتے ہیں کہ عرب بھی حیران رہ جاتے ہیں۔

امیر خسرو نے ہندوستان کے تہواروں یہاں کے رسم ورواج اور شادی بیاہ کا بھی ذکر بڑے دلچسپ انداز سے کیا ہے۔ شہزادہ خضر خاں کی شادی پر دلی کو سجایا گیا اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔

"درو دیوار پر تصویریں بنائی گئیں۔ راستوں پر مخمل کے فرش بچھائے گئے۔ نوبت، شادیانے، دمامے اور دہل بجائے گئے۔ نٹوں نے ڈوریوں پر تماشے دکھائے۔ شعبدہ بازوں نے طرح طرح کے شعبدے دکھائے۔ بہروپیوں نے سوانگ بھرے۔ ناچ ورنگ کی محفلیں جمیں۔ ہاتھی گھوڑوں کی فوج سجائی گئی ہیرے جواہرات کی بارش کی گئی۔ نکاح پڑھایا گیا تو دولہا پر موتی نچھاور کئے گئے۔ دولہا دلہن کے گھر گیا تو جلوہ دکھانے کی رسم کی گئی۔"

امیر خسرو کی مثنویوں کی تاریخی اہمیت بھی ہے۔ ان میں تاریخی واقعات کو بڑی سچائی سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ان کی اہمیت یہ ہے کہ ان میں پہلی بار اس زمانہ کی تہذیبی اور سماجی زندگی کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ اس زمانہ کی تاریخی کتابوں میں بادشاہوں، درباروں، لڑائیوں اور سیاسی جوڑ توڑ کے حالات تو کافی ملتے ہیں مگر وہ اس زمانہ کی سماجی و تہذیبی زندگی کا کوئی پتہ نہیں دیتی ہیں۔ امیر خسرو کی مثنویوں نے یہ کمی پوری کردی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ہندوستان کی سماجی اور تہذیبی زندگی سے بڑا پیار تھا۔ وہ یہاں کے شادی بیاہ، تہوار، میلوں وغیرہ میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔

امیر خسرو نے زبان کے بارے میں بھی نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ ہندوی زبان کی ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اسی لیے ان کو ہندی اور اردو کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے۔

اگلے باب میں ہم تمہیں ان کی ہندی شاعری کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں گے۔

5

ہندی شاعری

امیر خسرو کے زمانے میں دربار کی زبان فارسی تھی۔ سلطان، شہزادے۔ امیر اور درباری اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ حکومت کا کام اسی زبان میں ہوتا تھا۔ امیر خسرو ان چند پہلے شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے اس زمانہ کی عوامی زبان کو رواج دیا اور اس میں شاعری کی۔ امیر خسرو اس زبان کو کبھی ہندوی اور کبھی دہلوی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ وہی کھڑی بولی ہے جو ہم بولتے ہیں۔ انھوں نے اس بولی کی ترقی اور اس کو رواج دینے میں بڑا کام کیا ہے۔ اسی لیے امیر خسرو کو ہندی اور اُردو کا پہلا شاعر کہتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اب ان کی زیادہ تر ہندی شاعری موجود نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انھوں نے اپنی ہندی کویتاؤں یا شعروں کی زیادہ پرواہ نہیں کی۔ وہ جو شعر کہتے تھے اپنے دوستوں کو دیدیتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے فارسی کے مقابلے میں اپنی ہندی شاعری کو کم درجہ کا سمجھ کر اس کو جمع کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں فارسی دربار کی زبان تھی اور اس کا بول بالا تھا۔ اس لیے ان کی زیادہ تر ہندی شاعری ضائع ہو گئی۔ ہندی کی ایک کتاب خالق باری اور کچھ دوہے، کہہ مکرنیاں اور پہیلیاں ان کے نام سے مشہور ہیں۔ کچھ لوگ ان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ امیر خسرو کی نہیں ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسی کویتائیں، کونسے دوہے، پہیلیاں اور مکرنیاں امیر خسرو کی ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو ہندی شاعری ان کی بتائی جاتی ہے وہ سب کی سب ان کی نہیں ہے اور بعد میں دوسرے لوگوں نے

بہت سے شعر اپنی طرف سے اس میں ملا دیے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر خسرو نے ہندی میں کویتائیں لکھیں اور وہ فارسی کی طرح ہندی کے بھی بہت بڑے کوی تھے۔ امیر خسرو سے پہلے بھی ہندی کا رواج ہو چکا تھا۔ خسرو سے کچھ سو سال پہلے سعد بن سلمان ہندی میں شاعری کرتا تھا۔ خود امیر خسرو کے فارسی شعروں میں ہندی کے کافی لفظ ملتے ہیں۔ وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے ان کی ماں ہندوستانی خاتون تھیں۔ انہیں ہندوستان سے بے حد محبت تھی۔ وہ ہندوی کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں انھوں نے خود لکھا ہے کہ ان کے تین چار لاکھ شعر ہیں۔ بعد میں بھی بہت سے لوگوں نے ان کی ہندوی شاعری کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے ان کے ہندوی کے شاعر ہونے پر شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہاں ان کی ہندوی کویتا کے کچھ نمونے دیے جاتے ہیں۔ تم ان کا یہ دوہا تو پڑھ ہی چکے ہو۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چہوں دیس

ان کا ایک اور مشہور دوہا ہے۔

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرو من پیو کو دو بھئے ایک رنگ"

(اے خسرو اپنے محبوب کے ساتھ سہاگ رات جاگ کر گزار دی۔ میرا تن اور محبوب کا من دونوں مل کر ایک ہو گئے۔)

انھوں نے ہندوی اور فارسی میں ملے جلے دوہے بھی لکھے ہیں۔ دیکھو ان کا یہ دوہا ہندوی و فارسی کی ملی جلی شاعری کی کتنی اچھی مثال ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا　　کچھ گڑھئے، سنواریے، پکارا
نقد دل من ربود و بشکست　　پھر کچھ نہ گڑھا نہ کچھ سنوارا

(ایک سنار کا لڑکا دیکھا جو خوب صورتی میں چاند کا ٹکڑا تھا۔ میں نے گڑھنے اور سنوارنے کے لیے کہا۔ وہ میرے دل کی دولت لے گیا اور میرا دل توڑ ڈالا۔ اب گڑھنے و سنوارنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا)

ایک دوہے میں دہی بیچنے والی عورت کی تصویر کھینچی ہے، دیکھئے کتنی سچی تصویر ہے:

گجری تو کہ در حسن و لطافت چو مہی
ایں دیگ دہی بر سر تو چتر شہی
از ہر دو لبت شہد و شکر می ریزد
ہر گاہ کہ می گوئی دہی لیہو دہی

(او گجری! تو اپنی سندرتا میں چاند کی طرح ہے دہی کا برتن تیرے سر پر شاہی چھتر کی طرح لگتا ہے جب تو پکارتی ہے کہ دہی لے لو دہی تیرے ہونٹوں سے شہد و شکر ٹپکتے ہیں)

ساون میں نئی دلہن اپنے میکے چلی جاتی ہے یہ رسم ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں گھرانوں میں پائی جاتی ہے۔ خسرو ساون کے گیت ملہار کے ڈھنگ پر ایک دلہن کی زبانی بیان کرتے ھیں:-

امّاں میرے بابا کو بھیجو جی　　کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بابا تو بوڑھا ری　　کہ ساون آیا
امّاں میرے بھیّا کو بھیجو جی　　کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھیا تو بالا ری　　کہ ساون آیا

اماں میرے ماموں کو بھیجو جی   کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکاری۔   کہ ساون آیا

ایک یہ پہیلی بھی پڑھیے۔

اس پہیلی میں تین زبانوں میں آیئنے کا نام آیا ہے لیکن پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلتا۔

فارسی بولی آئی نہ (آئینہ)
ترکی بولی پائی نہ (پائینہ)
ہندی بولوں آرسی آوے (آرسی)
نہ دیکھے جو مجھے بتائے
کہے خسرو کوئی بتلاوے

آئینہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ ترکی میں آئینے کو پائینہ کہتے ہیں۔ اور ہندی میں آرسی۔ ایک کہہ مکرنی میں شرنگار رس اور ہاسیہ رس دونوں کو بڑی خوب صورتی سے ملایا ہے۔

سگری رین مورے سنگ جاگا
بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
واکے بچھڑے پھاٹت ہیا
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی دیا

(اے سکھی وہ رات بھر میرے ساتھ جاگا سویرا ہونے پر بچھڑنے لگا۔ اس کے بچھڑنے سے میرا دل پھٹا جاتا ہے اے سکھی کیا وہ ساجن ہے نہیں وہ دیا ہے)

اسی رنگ میں خسرو کا ایک اور خوب صورت دوہا ہے

سجن سکارے جائیں گے نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدی نا ہوئے

(میرا محبوب صبح مجھ سے جدا ہو جائے گا میری آنکھ آنسو بہائے گی اے خدا ایسا ہو کہ اس رات کی صبح کبھی نہ ہو)

حضرت امیر خسرو نے بہت سی پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور دو سخنے لکھے ہیں ان میں سے کچھ تمہاری دلچسپی کے لیے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

پہیلیاں

(قسم)

۱- نر سے پیدا ہووے نار   ہر کوئی اس سے رکھے پیار
ایک زمانہ اس کو کھاوے   خسرو پیٹ میں وہ نا جاوے

(آری)

۲- ایک نار دانت دنتیلی   دبلی پتلی چھیل چھبیلی
جب واتریا ہی لاگے بھوک   سوکھے ہرے چباوے روک
جو بتاوے واکی بلہاری   خسرو کہے ورے کو آری

(آری)

۳- ادھر کو آوے ادھر کو جاوے   ہر ہر پھیر وہ کاٹ کھاوے
ٹھرے جس دم وہ نارن   خسرو کہے اس کو آرن

(آگ)

۴۔ پون چلت وہ دیہہ بڑھاوے   جل پیوت وہ جیو گنوائے
ہے وہ پیاری سندر نار   نار نہیں پر ہے وہ نار

(چھتری)

۵۔ گھوم گھمیلا لہنگا پہنے ایک پاؤں سے رہے کھڑی
آٹھ ہاتھ ہیں اس ناری کے صورت اُس کے لگے پری
سب کوئی اس کی چاہ کریں مسلمان ہندو چھتری
خسرو نے یہ کہی پہیلی دل میں اپنے سوچ ذری

(ناخن)

۶۔ ہاڑ کی دیہی اجل رنگ   لپٹا رہے ناری کے سنگ
چوری کی نا خون کیا   واکا سر کیوں کاٹ لیا

(ناؤ)

۷۔ جل جل چلتا بستا گاؤں۔ بستی میں نا واکا ٹھاؤں
خسرو نے دیا واکا ناوں بوجھ ارتھ نہیں چھوڑو گاؤں

(ناخن)

۸۔ بیسیوں کا سر کاٹ لیا
نہ مارا نہ خون کیا

(نقارہ)

۹۔ زناری کی جوڑی ڈیٹھی   جب بولے تب لاگے میٹھی
ایک نہائے ایک تاپن ہارا   چل خسرو کوچ نقارہ

(آسمان)

۱۰۔ ایک تھال موتیوں سے بھرا   سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے   موتی اس سے ایک نہ گرے

(بھٹا)

۱۱۔ ایک ترور کا پھل ہے تر   پہلے ناری پیچھے نر
وا پھل کی دیکھو یہ چال   باہر کھال اور بھیتر بال

(پسینہ)

۱۲۔ دھوپوں سے وہ پیدا ہووے   چھاؤں دیکھ مرجھاوے
اے ری سکھی میں تجھ پوچھوں ہوا لگے مرجاوے

(پتنگ)

۱۳۔ ایک کہانی میں کہوں سن میرے پوت
بن پنکھوں وہ اڑ گیا باندھ گلے میں سوت

(دیا۔ چراغ)

۱۴۔ مارا (جلا) تھا سب کو بھایا   بجھا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں   بوجھو نہیں تو چھوڑ گاؤں

(لوٹا)

۱۵۔ کھڑا بھی لوٹا پڑا بھی لوٹا
ہے بیٹھا اور کہیں کہ لوٹا
خسرو کہے سمجھ کا ٹوٹا

(بجلی)

۱۶۔ ہے وہ ناری سندر نار   نار نہیں پر وہ ہے نار
دور سے سب کو چھب دکھلاوے   ہاتھ کسی کے کبھی نہ آوے

(پان)

۱۷۔ ایک گنی نے یہ گن کینا   ہریل پنجرے میں دیدینا
دیکھو جادوگر کا حال   ڈالے ہرا نکالے لال

(چرخا)

۱۸۔ ایک پرکھ بہت گن بھرا   لیٹا جاگے سووے کھڑا
الٹا ہو کر ڈالے بیل   یہ دیکھو کرتب کے کھیل

(خدا)

۱۹۔ سب کوئی اس کو جانے ہے   پر ایک نہیں پہچانے ہے
اٹھ دھڑی میں لیکھا ہے   فکر کیساروں دیکھا ہے

(خدا)

۲۰۔ سب سکھین کا پیا پیارا   سب میں ہے اور سب سوں نیارا

واکی آن مجھے یہ بھا   جا کی ہے بن دیکھی چا

(خربوزہ)

۲۱ ۔ دس ناری کا ایک ہی نر   بستی باہر واکا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم   منہ میٹھا تاثیر گرم

کہہ مکرنیاں

(ڈھول)

(۱) وہ آوے تب شادی ہووے   اس بن دوجا اور نہ کووے
میٹھے لاگیں وا کے بول   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی ڈھول

(بال)

(۲) بن کے رہے وہ ترچھے کھڑے   دیکھ سکھی مورے پیچھے پڑے
ان بن میرا کون حوال   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی بال

(بندر)

(۳) آنکھ چلاوے بھوں مٹکاوے   ناچ کود کے کھیل دکھاوے
من آوے لے آؤں اندر   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی بندر

(آم)

(۴) برسا برس وہ دیس میں آوے   منہ سے منہ لگا رس پیاوے
واکی خاطر میں خرچے دام   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی آم

(پان)

(۵) نت میری کھاتر بجار سے آوے   کرے سنگار تب چوما پاوے
من بگڑے نت راکھت مان   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی پان

(توتا)

(۶) سبج رنگ اور مکھ پر لالی   اس پر تیم گل کنٹھی کالی
بھاوسبھا و جنگل بیں ہوتا   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی توتا

(ہار)

(۷) سگری رین چھتین پر راکھا   رنگ روپ سب واکا چھاکا
بھور بھئی جب دیا اتار   اے سکھی ساجن؟ نہ سکھی ہار

(بخار)

(۸) بیں پڑی تھی اچانک چڑھ آیو   جب اترو تو پسینہ آیو
سہم گئی مکھ سے نکسی نہ پکار   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی بکھار

(کتا)

(۹) دُر دُر کروں تو دوڑ آئے   کھن آنگن کھن باہر جاے
دہیل چھوڑ کر کہیں ہیں تتا   اے سکھی ساجن؟ نہ سکھی کتا

(سپنا)

(۱۰) سیج پڑی مری آنکھیں آیا   ڈال سیج مو ہے مجا دکھایا
کس سے کہوں مجا بیں اپنا   اے سکھی ساجن؟ نہ سکھی سپنا

(پانی)

(۱۱) وابن موکو چین نہ آوے   وہ میری تس آن بجھاوے
ہے وہ سب گُن بارہ پانی۔   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی پانی

(چاند)

(۱۲) اونچی اٹاری پلنگ بچایو   بیں سوئی میرے پر آیو
کھل گئی انکھیاں بھئی انند   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی چند

(چوسر)

(۱۳) سولہ مہریان سیج پہ لاوے   ہڈی سے ہڈی وہ کھڑکاوے
کھیلت ہے کھیل باجی بدکو   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی چوسر

(شیشہ)

(۱۴) بیرو موسے سنگار کراوت ہے   آگے بیٹھ مرامان بڑھاوت ہے
واسے چکنا وکنا موکو ویسا   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی شیشہ

(کیلا)

(۱۵) اٹھ انگل کا ہے وہ اصل   اس کے ہڈی نہ اس کے پسلی
لٹا دھاری گرو کا چیلا   اے سکھی ساجن؟ نا سکھی کیلا

دو سخنے بھی امیر خسرو کی ایجاد ہیں۔ شاعر کئی سوال پوچھتا ہے لیکن ان کا جواب ایک ہی ہوتا ہے اسی کو دو سخنے کہتے ہیں۔ چند مثالیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ انار کیوں نہ چکھا؟ وزیر کیوں نہ رکھا؟

(جواب دانا نہ تھا)

۲۔ گوشت کیوں نہ کھایا ڈوم کیوں نہ گایا

(جواب گلا نہ تھا)

۳۔ راجا پیاسا کیوں؟ گدھا اداسا کیوں؟

(جواب لوٹا نہ تھا)

۴۔ روٹی جلی کیوں گھوڑا اڑا کیوں ؟ پان سڑا کیوں؟

(جواب پھیرا نہ تھا)

۵۔ جوگی کیوں بھاگا؟ ڈھولکی کیوں نہ باجی؟

(جواب مڑھی نہ تھی)

۶۔ پانی کیوں نہ بھرا؟ ہار کیوں نہ پہنا ؟

(جواب گھڑا نہ تھا)

۷۔ دیوار کیوں ٹوٹی؟ راہ کیوں لوٹی ؟

(جواب راج نہ تھا)

۸۔ گھر کیوں اندھیارا؟ فقیر کیوں بڑا را؟

(جواب دیا نہ تھا)

6

سنگیت کار

اسلام جب عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیلا تو مسلمانوں نے ان ملکوں کے رسم ورواج کو اپنایا۔ مقامی لوگ جو مسلمان بنے انھوں نے اپنے خاندانی اور پرانے طریقوں اور رواجوں کو نہیں چھوڑا۔ ہندوستان میں جو مسلمان آئے وہ ایرانی وترک تہذیب اور رسم ورواج اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس میں موسیقی یا سنگیت بھی شامل تھا۔

ہندوستان میں سنگیت و موسیقی کو رواج دینے میں صوفیوں نے بھی بڑا کام کیا ہے۔ بادشاہ شمس الدین التمش کے زمانہ میں چند عالموں کی وجہ سے گانے پر پابندی لگا دی گئی تھی، لیکن جب صوفیوں نے اس پابندی کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کی اجازت دے دی گئی۔

بادشاہ بلبن کے زمانہ میں سنگیت کا بڑا رواج تھا اس وقت بہت سے نامی سنگیت کار موجود تھے۔ بادشاہ کیقباد کا دور آیا تو گانے بجانے کا چلن اور بھی بڑھ گیا۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی "قرآن السعدین" میں اس عہد کے سنگیت کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہندوستان بھر کے اچھے سنگیت کار دلّی میں جمع ہو گئے تھے۔ بادشاہ جلال الدین فیروز خلجی کے زمانہ میں نقی شاہ نصرت خاتون اور بہروز جیسے مشہور سنگیت کار موجود تھے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق کے دربار کا سب سے بڑا گوّیا اور اس کے ناچ رنگ کے محکمہ کا داروغہ امیر شمس الدین تبریزی تھا۔ اس وقت دکن بھی سنگیت کا بڑا

گہوارہ تھا۔ ایران اور دوسرے مسلم ملکوں سے سنگیت کار ہندوستان آتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں سنگیت کی ایک بڑی اچھی روایت رہی ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ ایرانی سنگیت لائے اور اس طرح ہندوستانی اور ایرانی سنگیت سے مل کر ایک نئے سنگیت نے جنم لیا۔ جس طرح زبان، رسم و رواج اور کھانے پینے میں ہندوستانی اور مسلم کلچر ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے تھے اسی طرح سنگیت کی دنیا میں بھی تبدیلیاں آ رہی تھیں اور نئے نئے تجربے ہو رہے تھے۔ ایک طرف امیر خسرو جیسا سنگیت کار تھا، دوسری طرف گوپال نایک کے چرچے تھے۔ اس زمانہ میں ہندو اور مسلم میل جول سے ایک نئی ملی جلی تہذیب جنم لے رہی تھی۔ دونوں کے ملاپ سے ایک نئی بھاشا بن رہی تھی جس کو امیر خسرو نے ہندوی بھاشا کہا ہے۔ اسی طرح ہندو مسلم سنگیت سے مل کر ایک نئے سنگیت کی بنیاد قایم ہوئی۔

امیر خسرو نے خود اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ وہ سنگیت کے ماہر تھے۔ بادشاہ جہانگیر کے زمانہ میں ایک شخص امیر فقیر تھا جس نے ایک کتاب "راگ درپن" لکھی۔ جس میں امیر خسرو کی موسیقی (سنگیت) کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو نے سنگیت میں اس قدر مہارت حاصل کی کہ ان کو نایک کا خطاب دیا گیا۔

ایک مرتبہ گوپال نائک اور امیر خسرو کا موسیقی میں مقابلہ ہوا۔ گوپال بہت بڑا سنگیت کار تھا اس کے بارہ سو شاگرد تھے جو اس کے تخت کو کہاروں کی طرح اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔ سلطان علاوالدین خلجی نے اس کے کمال کی شہرت سن کر اسے دربار میں بلایا۔ اور اس سے گانے کی فرمایش کی۔ اس نے چھ دن تک مسلسل گانے کے جوہر دکھلائے۔ امیر خسرو چھپ کر بیٹھ گئے اور اس کا گانا سنتے رہے۔ ساتویں دن امیر خسرو بھی اپنے شاگردوں

کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے۔ گوپال بھی ان کی تعریف سن چکا تھا۔ خسرو سے گانے کی فرمائش کی گئی۔ امیر خسرو نے کہا کہ میں تو ترک ہوں ہندوستانی گانا کچھ یونہی سا جانتا ہوں۔ آپ کچھ سنائیں تو میں بھی پیش کروں گا۔ گوپال نے گانا شروع کیا۔ امیر خسرو نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی میں باندھ چکا اور خود گا کر دکھا دیا۔ گوپال نے دوسرا راگ گایا۔ خسرو نے اسے بھی گا کر دکھا دیا۔ غرض گوپال جو بھی راگ راگنی ادا کرتا تھا امیر خسرو اس کو اپنا کہتے اور گا کر دکھا دیتے تھے۔ اس کے بعد امیر خسرو نے کہا یہ راگ تو سب بازاری تھے۔ اب میں اپنی ایجاد سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر امیر خسرو نے گانا شروع کیا۔ پورا دربار اور خود گوپال حیرت میں پڑ گئے۔

سنگیت کے ایسے مقابلے امیر خسرو کے زمانہ میں اکثر ہوا کرتے تھے۔ خسرو نے اپنی کتاب اعجازِ خسروی میں بھی یہ لکھا ہے کہ خراسان سے سنگیت کاروں کی ایک ٹیم ہندوستان آئی اور ہندوستانی سنگیت کاروں کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا۔

امیر خسرو ایرانی اور ہندوستانی دونوں سنگیت جانتے تھے۔ ایرانی راگ راگنیوں کے نام ان کی کتابوں میں ملتے ہیں اور کئی جگہ ہندی راگوں جیسے الاون دھرپد وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو نے ستار بھی ایجاد کیا۔ ان سے پہلے ستار کی بجائے بین یا وینا ہوتے تھے۔ ایرانی ساز عود یا طنبور تھے۔ ان ایرانی اور ہندی سازوں کو ملا کر خسرو نے ستار ایجاد کیا۔ اسی طرح خسرو نے پکھاوج کی جگہ ڈھولک اور طبلہ ایجاد کیے۔ دھرپد کی بجائے قول اور قلبانہ کی ایجاد کی۔ قوالی کے بانی امیر خسرو ہی تھے۔ انھوں نے بہت سی ہندی راگ راگنیوں اور سروں کو ملا کر نئی راگ راگنیاں بنائیں۔ جیسے ہرو۔ دھوا۔ ماٹھا۔ چندو۔ پرندگیت۔ دھرپد۔ پرانے ہندوستانی راگوں کی جگہ قول، قلبانہ، نقشِ گل اور ترانہ راگ بنائے۔ ان کے

علاوہ بھی اور بہت سے راگ ہیں جو خسرو کی ایجاد کہے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ راگ مجیب یا مجیر۔ راگ سازگری۔ راگ ایمن کلیان۔ راگ مواقف۔ راگ ریلف۔ راگ چھپ تال۔ راگ عشاق۔ راگ فرغانہ۔ راگ سرپردہ وغیرہ۔

امیر خسرو نہ صرف خود ایک بڑے سنگیت کار تھے بلکہ سنگیت کے قدر دان بھی تھے۔ ہندوستانی سنگیت کے تو وہ عاشق تھے۔ ایک جگہ ہندوستانی سنگیت کی تعریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان کا سنگیت ساری دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ دنیا کے لوگوں نے اسے یہاں سے سیکھا ہے۔ یہ ہنر ایسا ہے کہ تیس چالیس کی محنت کے بعد بھی اس کے نازک سروں کو ادا کرنا مشکل ہے۔ اس سنگیت میں ایسا جادو ہے کہ ہرن بھی سن کر مست ہو جاتا ہے۔ سنگیت کا تیر اس کے دل میں لگتا ہے اور وہ بے چارہ اپنی جان دیدیتا ہے۔ خسرو ہندوستانی سنگیت کا مقابلہ عرب سنگیت سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "عرب کا اونٹ حدی خوان کی آواز سنتا ہے تو اور تیز چلتا ہے لیکن ہرن ہندوستانی راگ سنتا ہے تو اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔"

امیر خسرو کی طبیعت میں اُپج اور ایجاد کا مادہ کافی تھا۔ انھوں نے جس ہنر کو بھی اپنایا اس میں نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ سنگیت کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنی ایجادوں سے اس میں بھی چار چاند لگا دیے۔

امیر خسرو کی دیش بھگتی ان کی ہندی شاعری اور سنگیت کے بارے میں تم پڑھ چکے ہو۔ اب ہم تمھیں ان کے پیر حضرت نظام الدین اولیا کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں گے۔

7

حضرت نظام الدین اولیا

حضرت نظام اولیا ایک بہت بڑے صوفی بزرگ تھے۔ جو اسی زمانہ میں رہتے تھے جس میں امیر خسرو نے زندگی گزاری۔ انھوں نے بھی بہت سے بادشاہوں کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن ان کا کسی بادشاہ سے کوئی واسطہ و مطلب نہیں تھا۔ ان کی اپنی ہی الگ ایک دنیا تھی۔ درباروں، بادشاہوں، امیروں، شہزادوں اور دنیوی شان و شوکت سے دور۔ ان کا اپنا ایک دربار تھا۔ خدا کی محبت و عبادت بھائی چارہ انسانیت دوستی اور لوگوں کی خدمت کا دربار۔ جہاں روح کی پیاس بجھتی تھی۔ بے چین و پریشان دل و دماغ کو شانتی و راحت ملتی تھی۔ بھٹکے ہوئے اپنی راہ پاتے تھے۔ یہ دربار غریبوں کمزوروں اور ضرورت مندوں کا سہارا تھا۔ جہاں پر لوگ آکر سچی خوشی حاصل کرتے تھے۔ دِلّی کا یہ روحانی دربار تھا۔

لیکن اسی دلی میں ایک دوسرا بھی دربار تھا۔ شاہی دربار جہاں اونچی اونچی عمارتیں تھیں محل و قلعے تھے۔ شان و شوکت تھی دولت و شہرت تھی۔ خوب صورت شہزادے و شہزادیاں تھیں نواب و امیر تھے۔ حسن و عشق کے قصے تھے۔ لڑائی و خون خرابہ تھا۔ جہاں راتوں میں سازشوں کے جال بنے جاتے تھے۔ دن میں جنگوں کے نقشے بنتے تھے جہاں جھوٹ، فریب اور مکاریوں کا بازار گرم تھا۔ اس دربار میں لالچ خود غرضی اور شک و شبہ کی حکومت تھی۔ دولت، بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے کی ایک اندھی دوڑ تھی۔

لیکن بادشاہ کی اس راجدھانی سے چند میل دور غیاث پور میں حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ اس دربار سے کتنی مختلف تھی۔ اس خانقاہ کی مثال ایسی تھی جیسے اندھیری رات میں کسی نے چراغ جلا رکھا ہو۔ یہ بھی ایک دربار ہی تھا۔ یہاں بھی لوگ آتے تھے۔ مگر لالچ و خودغرضی سے نہیں بلکہ سچی خوشی حاصل کرنے۔ راحت و سکون کی سانس لینے۔ لوگ شاہی دربار کی گندی سیاست سے گھبراتے تو نظام الدین اولیا کی پُرسکون خانقاہ کا رُخ کرتے۔

حضرت نظام الدین اولیا کا تعلق چشتی صوفیوں سے ہے جن کی ہندوستان میں ایک لمبی تاریخ ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ ہی ہندوستان میں صوفیوں کے آنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے جو صوفی ہندوستان آئے ان کا نام حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھا۔ وہ سلطان محمد غوری کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور اجمیر میں آکر بس گئے تھے۔ آج بھی وہاں ان کا مزار ہے۔ جہاں ہر سال ہندوستان کا سب سے بڑا عرس ہوتا ہے۔ اس وقت دلّی اور اجمیر پر پرتھوی راج جن کو رائے پتھورا بھی کہتے ہیں کی حکومت تھی۔ حضرت معین الدین چشتی کے مرید و شاگرد حضرت خواجہ بختیار کاکی تھے جنھوں نے دلی میں رہ کر لوگوں کی خدمت کا کام کیا۔ ان کے بعد ان کے مرید خواجہ فریدین گنج شکر ہوئے جن کو بابا فرید بھی کہا جاتا ہے۔ وہ بہت بڑے صوفی اور حضرت نظام الدین اولیا کے پیر تھے وہ اجودھن میں رہتے تھے اس جگہ کو پاک پٹن بھی کہتے ہیں۔ جو پاکستان میں ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا ۱۲۳۸ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام احمد بن علی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے دادا خواجہ علی بخارا سے ہندوستان آئے تھے اور بدایوں میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ابھی حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔

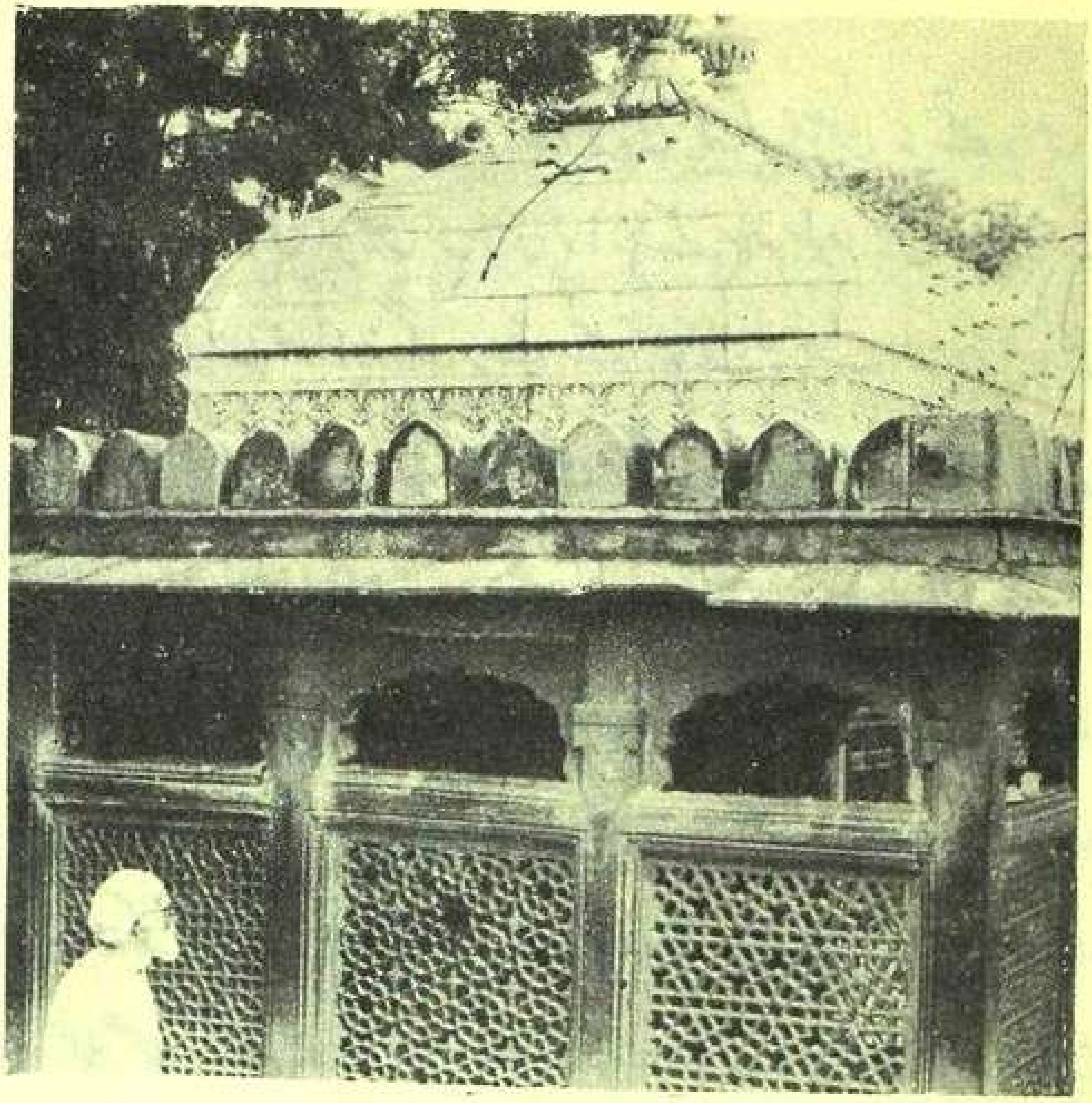

(حضرت امیرخسرو کا مزار)

ان کی پرورش اور تعلیم کا بوجھ ان کی ماں بی بی زلیخا پر پڑا ۔ بی بی زلیخا بہت نیک اور مذہبی خاتون تھیں ۔ جس کا اثر نظام الدین اولیا کے دل و دماغ پر بھی پڑا ۔ وہ بچپن سے ہی مذہب میں دلچسپی لینے لگے ۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد بی بی زلیخا حضرت نظام الدین کو لے کر دلی آگئیں اور یہاں ایک مسجد کے پاس ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگیں ۔ روپے پیسے کی تنگی کی وجہ سے ماں بیٹے بڑی غریبی میں زندگی گزارتے تھے لیکن غریبی کے باوجود ماں نے بیٹے کی تعلیم کی طرف پورا دھیان دیا اور ان کو برابر تعلیم دلاتی رہیں ۔

اس زمانے میں دلی میں ایک بہت بڑے عالم رہتے تھے ۔ جن کا نام شمس الدین خوارزمی تھا جو بعد میں سلطان بلبن کے وزیر بھی بن گئے تھے ۔ خوش قسمتی سے حضرت نظام الدین کو ان سے

پڑھنے کا موقع ملا۔ استاد بہت بڑے عالم تھے لیکن شاگرد بھی کچھ کم ذہین نہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نظام الدین اولیا بارہ سال کی عمر میں ہی اس زمانہ کے تمام علوم میں ماہر ہو گئے۔

ان کے پڑوس میں ایک صوفی بزرگ رہتے تھے جن کا نام نجیب الدین متوکل تھا وہ بابا فرید کے بھائی تھے۔ حضرت نظام الدین اپنے پڑوس میں ان بزرگ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ نظام الدین اولیا وہاں موجود تھے۔ ایک قوال نجیب الدین سے ملنے آیا وہ اجودھن میں بابا فرید کی خانقاہ میں رہ کر آیا تھا۔ اس قوال نے بابا فرید کی دینداری۔ نیکی۔ اجودھن کی خانقاہ کے حالات، ان کی عبادت و خدمت کے واقعات کچھ اس دلچسپ ڈھنگ سے بیان کیے کہ حضرت نظام الدین کو اجودھن جانے اور بابا فرید سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

چنانچہ آپ اجودھن کے لیے روانہ ہو گئے اور چند سال بابا فرید کی خانقاہ میں رہے۔ یہاں انھوں نے روحانیت و تصوف کی عملی تعلیم حاصل کی۔ بابا فرید اپنے ہونہار شاگرد سے ایسے خوش ہوئے کہ انھوں نے حضرت نظام الدین کو دلی میں اپنا نائب بنا کر رخصت کیا۔ دلی پہنچ کر حضرت نظام الدین کچھ عرصے ایک محلے سے دوسرے محلے بھٹکتے رہے۔ دراصل وہ دلی میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ دلی اس وقت آوارہ۔ بدچلن اور اوباش لوگوں کا اڈہ بن گئی تھی۔ حضرت نظام الدین ایسے لوگوں سے دور ہی رہنا چاہتے تھے۔ کئی بار انھوں نے دلّی چھوڑنے کا ارادہ بھی کیا مگر ان کے دماغ میں ایک سوال یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کی اصلاح اور سدھار کے لیے اگر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے تو اور کون اٹھائے گا۔ اس خیال سے انھوں نے دلی ہی میں رہنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر رہنے کے لیے مناسب جگہ کی تلاش تھی۔ اجودھن جانے سے پہلے کچھ دن وہ عماد الملک کے مکان پر بھی رہے تھے۔ امیر خسرو کی معرفت ہی یہ مکان ان کو ملا تھا خود

امیر خسرو بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔ عماد الملک کے بیٹے جب باہر سے واپس آ گئے تو حضرت نظام الدین کو یہ مکان چھوڑنا پڑا تھا۔ مناسب مکان نہ ملنے کی دشواری اب پھر ان کے سامنے تھی۔

آخر کار حضرت نظام الدین نے کافی غور و فکر اور دوستوں سے مشورے کے بعد ایک ایسی جگہ کو پسند کیا جو شہر میں تو نہ تھی لیکن شہر سے زیادہ دور بھی نہ تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں غیاث پور تھا یہ جگہ نئی دھلی میں ہے اور جہاں "نظام الدین" کے نام سے ایک بہت خوبصورت کالونی آج بھی آباد ہے۔ یہیں پر حضرت نظام الدین نے اپنی خانقاہ کی بنیاد رکھی جو انہیں کی زندگی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی زیارت گاہ بن گئی۔

جب بابا فرید کا انتقال ہو گیا تو ان کی وصیت کے مطابق حضرت نظام الدین کو چشتیہ فرقہ کا خلیفہ مقرر کیا گیا۔ وہ چوتھے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کا مطلب ہے جانشین۔ حضرت نظام الدین کو غیاث پور میں رہتے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ آپ کی نیکی، خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت کی شہرت سب جگہ پھیل گئی دور دور سے لوگ آپ سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ وہ لوگوں کو مرید بناتے، ان کی بھلائی و نیکی کے لیے دعا کرتے۔ ہر قسم کے لوگ ان کی خانقاہ میں آنے لگے۔ ان میں امیر و غریب رئیس زادے۔ شہزادے، خاص و عام۔ شہری و دیہاتی۔ آزاد و غلام، ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔ ان کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص نیک و دیندار بن کر جاتا تھا۔ بچے و بوڑھے۔ امیر و غریب سبھی نماز کے پابند ہو گئے تھے۔

اس زمانہ کے مورخ ضیا برنی لکھتے ہیں۔

"ہر روز بڑی تعداد میں لوگ غیاث پور جاتے تھے۔ نیک دل امیروں نے شہر اور غیاث پور کے بیچ کئی خوشگوار جگہوں پر چبوترے بنوا کر ان پر چھپر ڈلوا دیئے تھے۔ اور کنویں کھدوا دیئے تھے۔ ان چبوتروں پر پانی کے بڑے بڑے مٹکے اور مٹی کے لوٹے رکھے رہتے تھے۔ چٹائیاں بھی موجود رہتی تھیں۔ ان پر امام اور چوکیدار مقرر کر دیئے گئے تھے تاکہ حضرت نظام الدین کی زیارت کرنے والوں کو راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور انھیں نماز پڑھنے اور وضو کرنے کی آسانی حاصل رہے۔ ان چبوتروں پر نمازیوں کی بڑی تعداد نظر آتی تھی۔ لوگوں نے گندی و غیر شرعی باتیں چھوڑ دی تھیں۔ اب زیادہ تر مذہبی معاملوں پر بات چیت ہوتی تھی۔ دینداری اور مذہب کی اس قدر ترقی تھی کہ بادشاہ کے محل میں بھی بہت سے بڑے بڑے افسروں نے نمازیں پڑھنیں اور روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے۔ ہر محلہ میں لوگ قوالی سنتے تھے۔ خود سلطان علاؤ الدین خلجی اپنے خاندان سمیت حضرت کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ لوگوں کے دل سچائی و نیکی سے بھرے ہوئے تھے۔ علاؤالدین کے آخری زمانہ میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ شراب، عورت، جوئے یا بری باتوں کا نام بھی لوگوں کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ زیادہ تر امیر اور بڑے لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے اور مذہبی کتابیں پڑھنے میں مصروف نظر آتے تھے۔"

حضرت نظام الدین اولیا کے دن و رات خدا کی عبادت میں گزرتے تھے۔ انھوں نے عمر بھر شادی نہیں کی اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ رات رات بھر خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ اس قدر مذہبی ہونے کے باوجود آپ ایک زندہ دل انسان تھے۔ ہنسی و دل لگی کی باتیں بھی کرتے تھے۔ ان کی زندگی خشک و بے رس نہیں تھی۔ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

قوالی بھی سنتے۔ آپ کی خانقاہ میں اکثر قوال ڈھولک کے ساتھ امیر خسرو اور امیر حسن کی غزلیں گاتے تھے اور وہ ان سے پورا مزا لیتے تھے۔ چنانچہ اپنی اس خوبی کی وجہ سے وہ عام لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ ہر قسم کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے تھے۔ علاؤ الدین خلجی کا بیٹا خضر خاں بھی آپ کا مرید بن گیا تھا۔ خود علاؤ الدین پریشانی و مصیبت میں اکثر ان سے دعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے حضرت کے پاس دو لاکھ ٹنکے بھیجے۔ جب بادشاہ کا سپہ سالار ملک کافور جنوبی ہندوستان کی مہم پر گیا ہوا تھا اور ایک مدت تک اس کی کوئی خبر نہیں آئی تو علاؤ الدین نے حضرت سے درخواست کی کہ وہ اس مہم کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔ چور اور ٹھگ جیسے مجرم بھی حضرت کے مرید تھے اور خانقاہ میں آتے تھے۔ یہ لوگ بھی ان کو نذرانے پیش کرتے تھے مگر جو کچھ روپیہ پیسہ آتا وہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے بلکہ اسی وقت خانقاہ میں بانٹ دیتے تھے۔ لنگر خانہ برابر جاری رہتا تھا جہاں دن رات کھانا پکتا رہتا تھا۔

لیکن حضرت نظام الدین اولیا کبھی دربار میں نہیں جاتے تھے، نہ انھوں نے کبھی بادشاہ یا سلطان کو اپنی خانقاہ میں آنے کی اجازت دی۔ بادشاہوں سے میل ملاپ ان کے طریقے کے خلاف تھا۔ وہ اس کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی حضرت کا بہت قدر دان تھا۔ اس نے کئی بار خانقاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ لیکن انھوں نے کبھی اجازت نہیں دی۔ ایک بار بغیر اطلاع کے خانقاہ آنے کا ارادہ کیا۔ مگر امیر خسرو نے سلطان کے اس ارادہ کی خبر حضرت کو دیدی اور وہ اسی رات اپنے پیر کی زیارت کے لیے اجودھن چلے گئے۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو وہ

امیر خسرو پر بہت ناراض ہوا اور باز پرس کی۔ امیر خسرو نے سلطان کو کہا کہ سلطان کی ناراضگی سے صرف جان جانے کا ڈر تھا جب کہ پیر کی ناراضگی سے ایمان ہی چلا جاتا۔ سلطان کو خسرو کا یہ جواب پسند آیا اور اس نے انہیں معاف کر دیا۔

شروع میں علاؤ الدین خلجی حضرت نظام الدین کے بڑھتے ہوئے اثر کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس کو ڈر تھا کہ وہ کہیں اس کی حکومت کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ سلطان نے ان کا امتحان لینا چاہا۔ سلطان نے اپنے بیٹے کے ذریعہ ایک خط ان کے پاس بھیجا جس میں ان سے حکومت کے کاموں میں مشورہ مانگا تھا۔ حضرت نظام الدین نے خط لیا اور بغیر پڑھے ہی ایک طرف ڈال دیا اور سلطان کے بیٹے سے کہا...

"ہم فقیروں کو حکومت کے کاموں سے کوئی مطلب و واسطہ نہیں۔ میں شہر سے دور ایک کونے میں بیٹھا سلطان اور عام انسانوں کی بھلائی و ترقی کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں اگر سلطان کو یہ بھی پسند نہیں تو وہ مجھے بتائے۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ خدا کی زمین بہت بڑی ہے۔"

سلطان حضرت کے اس جواب سے مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے پھر کبھی حضرت کے خلاف کوئی بات نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہا۔ ایک بار تو سلطان علاؤ الدین نے ان سے ملنے کی بھی خواہش ظاہر کی مگر حضرت نظام الدین نے کبھی ملاقات کی اجازت نہیں دی۔ سلطان نے جب کہلایا کہ وہ کسی دن بغیر اجازت ہی آ جائے گا تو انھوں نے جواب دیا "اس فقیر کی خانقاہ کے دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔"

علاؤالدین خلجی کے بعد قطب الدین مبارک شاہ خلجی تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان حضرت نظام الدین کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ ان کا سخت مخالف تھا۔ مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ خضر خاں جو گدی کا وارث تھا حضرت کا مرید تھا سلطان کو یہ غلط فہمی تھی کہ وہ اس کے خلاف سازش میں خضر خاں کے ساتھ تھے۔ اور حضرت سے ڈرتا تھا کہ وہ خضر خاں کے حق کی حمایت کریں گے۔ چنانچہ سلطان نے ان کو طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کیا۔ اس نے ایک جامع مسجد بنوائی اور تمام عالموں صوفیوں اور بڑے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز اس مسجد میں پڑھا کریں۔ حضرت نظام الدین نے سلطان کا حکم نہیں مانا اور کبھی اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔ انھوں نے سلطان کو یہ لکھ کر بھیجدیا "میرے پڑوس میں ایک مسجد ہے۔ اس مسجد کا مجھ پر زیادہ حق ہے۔ میں وہیں نماز پڑھوں گا" سلطان اس جواب سے سخت ناراض ہوا۔

اسی طرح اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو شہر کے بڑے بڑے سبھی لوگ دربار میں سلطان کو سلام کرنے جاتے تھے۔ لیکن حضرت نظام الدین کبھی نہیں گئے۔ اگرچہ سلطان نے کئی بار حکم دیا بلکہ دھمکی بھی دی لیکن حضرت نے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور کبھی دربار میں نہیں گئے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار تو سلطان نے یہ اعلان کر دیا کہ اگر حضرت نظام الدین اس مہینے کی پہلی تاریخ کو دربار میں حاضر نہیں ہوئے تو ان کا سر کاٹ کر لایا جائے گا۔ حضرت کے مریدوں کو بڑی فکر ہوئی۔ لیکن حضرت اپنے ارادے پر اٹل تھے۔ آخر کار شام کو چاند دکھائی دیا۔ اگلے دن پہلی تاریخ تھی۔ حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں پریشانی اور بے چینی تھی۔ ہر شخص یہی سوچ رہا تھا کہ دیکھیے صبح کو کیا ہوتا ہے لیکن حضرت کے

چہرہ پر کوئی فکر تھی نہ پریشانی ۔ اسی رات سلطان کو اس کے ایک درباری نے قتل کر دیا۔ اور سلطان حضرت نظام الدین کو دربار میں بلانے کی خواہش لیے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

مبارک شاہ خلجی کا دور بھی ختم ہوا اور اس کی جگہ تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ غیاث الدین تغلق گدی پر بیٹھا ۔ غیاث الدین تغلق بھی حضرت نظام الدین سے خوش نہ تھا۔ دونوں کے درمیان تعلقات دن بدن خراب ہوتے گئے ۔ سلطان نظام الدین اولیا کے تعلقات خراب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مبارک شاہ خلجی کی موت کے بعد جب خسرو خاں بادشاہ بنا تو اس نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور امیروں و شہزادوں کو اپنے حق میں کرنے کے لیے سارا شاہی خزانہ ان میں بانٹ دیا۔ حضرت نظام الدین اولیا کو بھی روپیہ دیا۔ جب غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا تو اس نے دیکھا کہ خزانہ تو خالی ہے ۔ اس نے حکم دیا کہ خسرو خاں نے جن جن لوگوں کو روپیہ بانٹا ہے وہ واپس کر دیں ۔ نظام الدین اولیا کو بھی روپیہ واپس کرنے کے لیے کہا گیا۔ سبھوں نے تو روپیہ واپس کر دیا مگر نظام الدین اولیا نے روپیہ واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت کی خانقاہ میں جو روپیہ آتا تھا وہ سب اسی وقت تقسیم ہو جاتا تھا۔ ان کے پاس پیسہ تھا ہی نہیں اس لیے واپس کیا کرتے ۔ اس پر غیاث الدین تغلق ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو طرح طرح سے پریشان کرنے لگا ۔

سلطان کی ناراضگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ دوسرے مذہبی عالم و قاضی حضرت نظام الدین کی شہرت و عزت سے جلتے تھے اور سلطان سے ان کی شکایت کرتے تھے۔ وہ یہ بھی شکایت کرتے تھے کہ حضرت نظام الدین قوالی کو جائز سمجھتے ہیں ۔

سلطان اور نظام الدین اولیا کے درمیان اس جھگڑے کے باوجود امیر خسرو کی عزت وقدر دانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انھوں نے سلطان غیاث الدین کی حکومت کے حالات اپنی آخری مثنوی تغلق نامہ میں لکھے اور سلطان کی شان میں بہت سے قصیدے بھی کہے۔

تم یہ پڑھ چکے ہو کہ حضرت نظام الدین اولیا اور امیر خسرو ایک دوسرے کے کتنے قریب اور دوست تھے۔ کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو آٹھ سال کی عمر ہی میں حضرت کے مرید ہو گئے تھے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ وہ جلال الدین خلجی کے زمانہ میں حضرت کے مرید بنے مگر وہ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔ امیر خسرو بھی ان کی نیکی و دین داری کے چرچے سنتے ہوں گے اور نظام الدین اولیا کے کانوں تک بھی خسرو کی شاعری کی شہرت پہنچی ہو گی۔ اس لیے جب خسرو مرید ہونے کے لیے آپ کے پاس آئے تو حضرت نظام الدین نے اپنے ملازم سے کہا کہ خانقاہ کے دروازہ پر ایک ترک بیٹھا ہے جو ہم سے ملنے آیا ہے اسے اندر بلالو۔ وہ خسرو سے بہت جلد مانوس ہو گئے اور انہیں اپنا مرید بنا لیا۔

پیری و مریدی کا یہ تعلق دوستی میں بدل گیا۔ وہ جلد حضرت نظام الدین کی محفلوں کے شریک اور ان کے راز دار بن گئے۔ امیر خسرو کی وجہ سے خانقاہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ ماحول زیادہ خوب صورت اور دلفریب ہو گیا۔ اب رات کو دیر تک محفل جمتی تھی امیر خسرو اپنے پیر کو دن بھر کی دربار کی خبریں سناتے تھے اور حضرت نظام الدین اولیا بڑی دلچسپی سے یہ خبریں سنتے دونوں صاحب کمال انسان تھے۔ امیر خسرو شاعر تھے تو حضرت نظام الدین نہ صرف شعروں کے اچھے پارکھ تھے بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ دونوں انسان دوست، ہمدرد اور درد مند دل رکھتے تھے اس لیے دونوں میں خوب باتیں ہوتی تھیں۔

حضرت نظام الدین امیر خسرو کو "ترک اللہ" یعنی اللہ کا ترک کہتے تھے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے کہ میں سب سے اکتا جاتا ہوں لیکن امیر خسرو سے کبھی نہیں اکتاتا۔ وہ یہاں تک خسرو سے پیار کرتے تھے کہ لوگوں سے ان کو یہ کہتے سنا گیا کہ اگر قیامت کے دن خدا مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں امیر خسرو کو پیش کر دوں گا۔ حضرت نظام الدین نے خسرو کی تعریف میں ایک رباعی بھی لکھی تھی جو یہ ہے۔

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیست کہ ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

(کم لوگ ہیں جنھوں نے خسرو جیسی نظم و نثر لکھی۔ وہ بلاشبہ شاعری کی دنیا کے بادشاہ ہیں۔ وہ ہمارے خسرو ہیں۔ ناصر خسرو (بادشاہ) نہیں۔ خدا بھی ہمارے خسرو کا مددگار ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کو ایک قبر میں دفن کرنے کی اجازت ہوتی تو میں یہ چاہتا کہ خسرو کو میرے ساتھ دفن کیا جائے۔ چونکہ یہ ممکن نہ تھا اس لیے انھوں نے یہ وصیت کی کہ خسرو کو میرے برابر دفن کیا جائے۔

خانقاہ میں خسرو کا درجہ بہت اونچا تھا۔ سبھی ان کی عزت کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین تک لوگوں کی داد فریاد انھیں کے ذریعہ پہنچتی تھی۔ خانقاہ کے لوگوں کے جھگڑے بھی وہی طے کراتے تھے۔

امیر خسرو کو بھی حضرت نظام الدین سے بے حد محبت وعقیدت تھی۔ انھوں نے اپنے پیر کی شان میں کئی قصیدے لکھے۔ بہت سی مثنویوں میں حضرت نظام الدین کا ذکر کیا ہے۔ ان کے شعروں میں بھی حضرت نظام الدین کی تعلیم کی گہری چھاپ ہے۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں تو وہ حضرت نظام الدین اولیا کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ دربار تو وہ بہ مجبوری جاتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیا کی زندگی کے مختصر حالات پڑھ کر تمہیں یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ وہ کتنے بڑے انسان تھے۔ وہ دوسروں کے لیے زندہ رہے۔ انھوں نے اپنے عیش وآرام کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے شادی بھی نہیں کی۔ ساری عمر خدا کی عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت میں گزار دی۔

ان کی تعلیم کی بنیاد خدا کی محبت ہے اور خدا کی محبت کا راستہ انسانوں کی محبت سے ہو کر گزرتا ہے۔ جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے اسے خدا کے بندوں سے محبت کرنی چاہیے۔ خدا کی محبت کا مطلب ہے کہ انسان خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزار دے، اس کی عبادت وبندگی میں مصروف رہے۔ خود غرضی، لالچ، ہوس، حسد، دشمنی ونفرت، جھوٹ وفریب سے اپنے دل کو پاک صاف رکھے۔

حضرت نظام الدین اولیا کے نزدیک خدا کی عبادت وبندگی میں مصروف رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو چھوڑ دے بلکہ انسان اس دنیا میں اس طرح رہے جیسے مرغابی پانی میں رہتی ہے کہ جب پانی سے باہر نکلتی ہے تو اس کے پر سوکھے ہوتے ہیں۔ انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے دنیوی خواہشوں سے دل کو پاک رکھنا چاہیے۔ حضرت

نظام الدین نے خود کہا ہے "دنیا چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا رکھے لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ دنیا چھوڑنے کا مطلب ہے کہ وہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے، حلال کمائی کرے۔ مگر اس کو جمع کرے اور نہ اس سے دل لگائے۔"

ان کی خانقاہ میں ایک جماعت خانہ تھا جس میں سب مرید مل جل کر رہتے تھے جو کچھ آتا تھا وہ سب میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ سب مل کر کھانا کھاتے تھے۔ ان کو خدا کی عبادت کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ حضرت کا جماعت خانہ مل جل کر رہنے کی ایک اچھی مثال تھا۔ جس میں سب مذہبوں اور ذاتوں کے لوگ ایک ساتھ مل کر محبت و دوستی کے ماحول میں زندگی گزارنا سیکھتے تھے۔ ان کی خانقاہ کے دروازے سب فرقوں کے لوگوں کے لیے کھلے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا سب انسانوں سے برابری کا سلوک کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے دشمنوں سے بھی برائی سے پیش نہیں آتے تھے۔ انھوں نے سب مذہبوں کی عزت کرنا سکھایا۔

حضرت نظام الدین کی تعلیم کا ایک اصول دلوں کو جیتنا تھا۔ وہ کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ وہ ہر ایک کی دلداری کرتے اور اس کے دل کو خوش رکھتے تھے خود حضرت کا قول ہے:

> "مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ انسان کا دل خدا کا گھر ہوتا ہے۔"

حضرت نظام الدین اس وقت تک کسی کو مرید نہیں بناتے تھے جب تک کہ وہ اپنا سب کچھ بیچ کر روپیہ غریبوں میں نہ بانٹ دے۔ وہ مال اور دولت کی محبت

کو بُرا سمجھتے تھے۔ سادہ زندگی گزارنے پر زور دیتے تھے۔ خانقاہ میں جو کچھ آتا تھا وہ شام تک بانٹ دیا جاتا تھا۔

حضرت نظام الدین کی زندگی اور تعلیم کا اس زمانہ کی سوسائٹی پر گہرا اثر تھا۔ ان کا پیغام آج بھی زندہ ہے۔ سات سو سال گزرنے کے بعد بھی ان کے مزار پر ہر سال عرس ہوتا ہے اور ہزاروں لاکھوں ہندو مسلمان سکھ عیسائی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

8

فارسی کی شاعری

امیر خسرو ہندوستان میں فارسی زبان کے سب سے بڑے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ہندوستان میں فارسی کے بہت سے شاعر و ادیب ہوئے ہیں۔ خسرو سے پہلے مسعود سعد بن سلمان اور تاج الدین مشہور شاعر تھے۔ خود ان کا دوست امیر حسن بڑا شاعر تھا۔ ایران اور دوسرے ملکوں سے بہت سے شاعر اور عالم ہندوستان میں آکر بس گئے تھے۔ خسرو کے بعد تو فارسی زبان و ادب کی بڑی ترقی ہوئی۔ ہندوستان میں فارسی کے بڑے بڑے شاعر ہوئے۔ اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ سنسکرت سے فارسی میں ترجمے کئے گئے۔ تم نے اکبر بادشاہ کے نورتنوں میں ابوالفضل اور فیضی کا نام تو سنا ہی ہے۔ یہ دونوں سگے بھائی تھے اور فارسی کے بہت بڑے عالم۔ فارسی میں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ شاہ جہاں بادشاہ کے دربار میں کلیم نام کا ایک بہت بڑا شاعر تھا۔ بادشاہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اس نے کلیم کو ہیرے جواہرات میں تولا تھا اور یہ ہیرے جواہرات اسے انعام میں دیدیے تھے۔ بیدل اور مرزا غالب بھی فارسی کے بڑے شاعر تھے۔ ان کے علاوہ بھی اور بہت سے شاعر ہوئے ہیں۔

لیکن ہندوستان کے فارسی شاعروں میں امیر خسرو کا جو درجہ ہے وہ آج تک کسی کو

نہیں ملا۔ یہاں تک کہ فارسی میں ان کی استادی کو ایران کے بڑے بڑے شاعروں نے بھی مانا ہے۔ شیخ سعدی اور حافظ شیرازی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیخ سعدی ان کی شاعری کی دھوم سن کر ان سے ملنے ہندوستان آئے اور دونوں میں ملاقات ہوئی۔ مگر اس واقعہ کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ دراصل امیر خسرو کا نام ایران کے فارسی شاعروں کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ایران کے بڑے شاعروں میں خاقانی۔ عرفی۔ حافظ۔ سعدی۔ انوری۔ نظامی وغیرہ تھے۔ امیر خسرو بھی ان ہی استادوں میں گنے جاتے ہیں۔

امیر خسرو فارسی زبان کے پہلے ہندوستانی شاعر ہیں جنہوں نے ایرانیوں سے بھی اپنی فارسی قابلیت اور شاعری کا لوہا منوالیا۔ اس لئے فارسی ادب کی کوئی تاریخ امیر خسرو کے ذکر سے خالی نہیں۔

امیر خسرو نے فارسی شاعری میں بہت سی نئی باتیں پیدا کیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی شاعری کی۔ فارسی و اردو شاعری کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ نظم۔ رباعی وغیرہ۔ امیر خسرو نے ان سب میں کمال حاصل کیا۔ ایرانی شاعری کا حال یہ ہے کہ وہ شاعری کی صرف ایک قسم میں استاد مانے جاتے ہیں۔ جیسے نظامی نے صرف مثنویاں لکھیں۔ حافظ اور سعدی غزل کے شاعر تھے۔ انوری قصیدہ لکھتے تھے لیکن خسرو غزل قصیدہ اور مثنوی سبھی کے شاعر تھے۔

خسرو نے اپنی فارسی شاعری میں ہندی کے لفظ کافی استعمال کئے ہیں۔ خاص طور پر ان کی مثنوی "دیول رانی خضر خان" میں ہندی کے لفظ کافی آئے ہیں۔ شاید یہ ضروری

بھی تھا۔ ہندوستانی چیزوں اور رسم و رواج تہواروں وغیرہ کا ذکر کرتے وقت وہ ہندی لفظوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اس زمانہ میں عشقیہ شاعری کا رواج تھا یا بادشاہوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے تھے۔ امیر خسرو نے قصیدے بھی لکھے۔ عشقیہ شاعری بھی کی۔ مگر ایک نئی شاعری کو بھی رواج دیا۔ انہوں نے پہلی بار معمولی معمولی چیزوں جیسے کشتی اور کاغذ کے بارے میں نظمیں لکھیں۔ پہلی بار امیر خسرو تے قدرتی نظاروں کو اپنی شاعری میں بیان کیا۔ صبح و شام برسات، سردی، باغ، پھل، پھول وغیرہ کے بارے میں نظمیں لکھیں۔ چونکہ امیر خسرو ایک سنگیت کار تھے اس لئے ان کے شعروں میں سنگیت اور ترنم ملتا ہے۔

ان کی شاعری میں تازگی اور روانی ہے۔ اس میں درد اور اثر ہے۔ ان کے شعر بناوٹی نہیں ہوتے بلکہ ان میں سچائی اور اصلیت ہوتی ہے۔ ان کی شاعری دلوں کی آواز ہے۔ انہوں نے فلسفہ، تصوف، مذہب، حسن و عشق، قدرتی مناظر سبھی کے بارے میں شاعری کی ہے۔ اس لئے سات سو سال گزرنے کے بعد بھی ان کی شاعری میں تازگی اور نیاپن ہے۔ آج بھی ان کی غزلیں بڑے شوق سے گائی جاتی ہیں۔

آپ کی دلچسپی کے لئے امیر خسرو کی شاعری کے کچھ نمونے یہاں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ نیست آں مردانگی کاندر غزا کافر کشی　　درصف عشاق خود را کشتن از مردانگی ست

(مردانگی یہ نہیں ہے کہ تم لڑائی میں شریک ہو کر دشمنوں کو قتل کرو۔ بلکہ عشق میں خود کو فنا کر دینا ہی اصل مردانگی ہے۔)

۲۔ اگر تو آدمئے در کساں بطنز مبیں ؛ کہ بہتر از من و تو بندۂ خداوندند

(اگر تم انسان ہو تو کسی پر طنز مت کرو۔ کیونکہ خدا کے ہزاروں بندے ہم تم سے بہتر ہیں)

۳۔ مپرز باد غرور گر بلندی داری
کہ خس بلند شد از باد لیک باز افتاد

(اگر تمہیں عزت و شہرت حاصل ہے تو غرور کی آندھی میں مت اڑو۔ گھاس کے تنکے کو دیکھو کہ ہوا سے اڑتا ہے لیکن ہوا کا زور ختم ہوتے ہی پھر نیچے گر جاتا ہے۔)

۴۔ دشمن اگر ز پستی ہمت مگزند ؛ تو خاک راہ او شود ہمت بلند کن

(اگر دشمن اپنی گراوٹ سے تمہیں نقصان پہنچاتا ہے تو تم اس سے بدلہ مت لو بلکہ بڑائی اس میں ہے کہ تم اسے معاف کر دو)

۵۔ سنگ ار یکی زنند دعا شاں دوبارہ گو
کبر ار یکے کنند تواضع دو چند کن

(اگر لوگ تمہیں ایک بار پتھر ماریں تو تم انہیں دعا دو۔ اگر لوگ تم سے غرور سے پیش آئیں تو تم ان کے ساتھ انکساری کرو)

۶۔ دولت و محنت چوں ہر دو بر کس پائندہ نیست
زیں دلت غمگین چرا شد زاں روانت شاد چیست

(جبکہ یہ حقیقت ہے کہ امیری اور غریبی ہمیشہ آنی جانی چیزیں ہیں تو پھر غریبی سے دکھی نہ ہو اور دولت پا کر خوش نہ ہو)

۷- آدمی چوں کبر در سر میکند ؞ باسگ کے آشنائی خوشتر است

(گھمنڈی آدمی کے ساتھ دوستی کرنے سے یہ اچھا ہے کہ کسی آوارہ کتے سے دوستی کرلے)

۸- سنگسار لعنت جاوید سر ابلیس را
از برائے کوری چشماں خود بیں کردہ اند

(شیطان کی گردن میں سدا کے لئے لعنت کا طوق اس لئے ڈال دیا گیا ہے کہ اس کو اس کے گھمنڈ اور غرور کی سزا ملتی رہے)

۹- خسرو مگو کسی بد کہ دریں گنبد از صدا
خلق انچہ گفتہ اند ہماں را شنیدہ اند

(خسرو کسی کو بھی برا مت کہو کیونکہ دنیا میں لوگ جو کہتے ہیں وہی انہیں خود بھی سننا پڑتا ہے)

۱- آشکارا عشق بازی با بتاں ؞ از بس زہد ریائی خوشتر است

(دکھاوے کی عبادت سے وہ عشق بازی اچھی ہے جو ایمانداری اور سچائی سے کی جائے)

۱۱- بادہ کش دوزخیاں بہتر ازیں متقیاں ؞ کز پئے خلد بریں طاعت معبود کنند

(جنت کی لالچ میں عبادت کرنے والوں سے دوزخ کا ایندھن بننے والے شرابی اچھے ہیں کیونکہ ان میں کوئی لالچ نہیں ہے)

۱۲ خفتگان از زندگی آگہ نیند ؞ زندہ بودن کار بیداری بود

(سونے والے زندگی کی ذمہ داریوں سے واقف نہیں ہیں۔ زندگی حرکت و عمل

کا نام ہے۔)

۱۳۔ ای من غلام دولت آں نیک بندہ ای ٭ کز بندگی نفس بد آزاد می رود

(میں اس نیک انسان کا غلام ہوں جو اپنی بُری خواہشوں پر قابو رکھتا ہے)

۱۴۔ ما و عشق یار اگر در قبلہ و در میکدہ
عاشقاں دوست را با کفر و ایماں کار نیست

(خدا کے سچے عاشقوں کو کعبہ یا بت کدہ سے مطلب نہیں ہوتا وہ تو بس خدا کے عاشق ہوتے ہیں اور ہر جگہ اس کا جلوہ دیکھتے ہیں۔)

۱۵۔ در درون مسجد و دیر و خرابات و کنشت
ہر کجا رفتیم ہمہ شو تو و غوغای تست

(مسجد۔ مندر۔ میکدہ یا کلیسا ہر جگہ تیری ہی یاد اور تیرا ہی نام لیا جاتا ہے)

۱۶۔ سر محراب نہ ندارم من و کوبیت پس ازیں
کہ بت و بتکدہ و گبر و برہمن آنجاست

(مجھے مسجد جانے کا شوق نہیں ہے۔ میرے لیے تیری گلی ہی اچھی ہے کہ یہاں بُت بت کدہ و برہمن اور آگ کی پوجا کرنے والے سبھی موجود ہیں۔)

۱۷۔ مردن از دوستی ای دوست زن ہند و آموز
زندہ در آتش سوزاں شدن آساں نبود

(دوستی میں اپنے آپ کو زندہ جلا دینا ستی کی رسم کی طرف اشارہ ہے) ہندوؤں سے سیکھو۔ زندہ آدمی کا آگ میں جل جانا آسان بات نہیں ہے لیکن ہندو عورت

اپنے دوست (شوہر) کے لئے خود کو زندہ جلا دیتی ہے)

۱۸- ہر دم کہ خوشدلی بر آید ⁂ سرمایہ حاصل جوانی ست
(جو وقت خوش دلی کے ساتھ گزر جائے وہی جوانی کی دولت ہے)

۱۹- من نمی دانم کہ چو باشد پری ⁂ شکل تو یاری مرا دیوانہ کرد
(میں نے پری تو نہیں دیکھی کہ کیسی ہوتی ہے لیکن تیری صورت نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے)

۲۰- دل کہ دروی زندگی عشق نیست ⁂ دل نشاید گفت مرداری بود
(جس دل میں عشق کی گرمی نہیں وہ دل مردہ ہے)

۲۱- از چاشنی درد جدائی چہ آگہند ⁂ یکشب کساں کہ تلخ نہ کردند خواب را
(جن لوگوں نے ایک رات جاگ کر نہیں کاٹی وہ معشوق سے جدائی کی تکلیف کیا جانیں)

۲۲- ممکن نگشت توبہ مارا ز روی خوباں ⁂ گیتی بہ محنت و غم چند آزمود مارا
(اگرچہ دنیا نے ہمیں بہت تکلیفیں اور غم دیئے لیکن ہمیں عشق بازی سے نہیں روک سکی۔)

۲۳- بوفاداری او گشت تنم خاک وہنوز ⁂ نکہت دوستی او ز کفن می آید
(اس کی محبت میں میں نے جان دے دی۔ مگر اب بھی میرے کفن سے اس کی محبت کی خوشبو آرہی ہے)

۲۴- فقیہہ شہر کہ مارا ہمی کند تکفیر
بعمر خویش نکردہ است سجدہ ای بخضوع

(شراب پینے پر شہر کے قاضی نے ہم پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ اگرچہ خود اس نے زندگی بھر سچے دل سے ایک بھی سجدہ نہیں کیا ہوگا)

۲۵- ماہست رخت دریں سخن نیست ٭ قند است لبت سخن دریں است

(اس میں تو شک نہیں کہ تیرا چہرہ چاند کی روشنی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا تیرے ہونٹ بھی شہد کی طرح میٹھے ہیں

۲۶- وی آں کلاہ زہد کہ صوفی بفرق داشت
بردست ساقی چو تو امروز جام شد

(کل صوفی جی جو ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے آج وہ خوبصورت ساقی کے ہاتھوں میں شراب کا پیالہ بن گئی ہے۔ صوفی جی مستی میں ٹوپی شراب خانہ میں چھوڑ گئے)

۲۷- در حریم کعبہ جاں یعنی کہ دل
جز خیال دوست را نیست امکان نزول

(میرے دل میں دوست کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال نہیں ہے)

۲۸- مائیم و تحیر و خموشی ٭ وآفاق ہمہ بگفتگویت

(ساری دنیا میں تیرے نام کا چرچا ہے۔ مگر ہم تیری ذات کے بارے میں حیرت زدہ اور خاموش ہیں۔)

۹

امیر خسرو کی کتابیں

امیر خسرو نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کے اپنے زمانہ کے ایک مورخ ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے کہ امیر خسرو نے اتنی کتابیں لکھیں کہ ان سے ایک کتب خانہ بن سکتا ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی کتابوں کی تعداد ننانوے بتلائی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ انھوں نے ایک سو ننانوے کتابیں لکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ امیر خسرو بہت تیزی سے شعر کہتے تھے۔ وہ اتنی جلد شعر کہتے کہ قلم ان کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ انھوں نے بچپن ہی میں شعر کہنے شروع کر دیے تھے مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ واقعی امیر خسرو نے اتنی بڑی تعداد میں کتابیں لکھی ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ بعد میں بہت سی کتابوں کو غلطی سے امیر خسرو کے نام سے جوڑ دیا گیا جو در اصل ان کی نہیں ہیں۔ ان کی ایک ہی کتاب کے کئی کئی نام ہونے کی وجہ سے بھی یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً ان کی ایک کتاب خزائن الفتوح ہے...... اس کو تاریخ علائی بھی کہا جاتا ہے۔ ”دیول رانی خضر خان“ مثنوی کا نام ”عشقیہ“ بھی ہے۔ کافی چھان بین کے بعد اب تک امیر خسرو کی اٹھارہ کتابیں سامنے آئی ہیں۔ یہ سب کتابیں موجود ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر چھپ گئی ہیں، کچھ چھپنی ہیں۔ چھان بین کا کام ہو رہا ہے۔ ممکن ہے بعد میں ان کی کچھ اور کتابوں کے نام معلوم ہوں۔ ان کی کل کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ۔ دیوان (۲) مثنویاں (۳) نثر کی کتابیں

ان کے پانچ دیوان ہیں جن کے نام یہ ہیں ۔ (۱) تحفتہ الصغر (۲) وسط الحیات (۳) غرۃ الکمال (۴) بقیہ نقیہ (۵) نہایت الکمال ۔

امیر خسرو کی مثنویاں دو طرح کی ہیں ایک وہ مثنویاں ہیں جو انھوں نے فارسی کے مشہور شاعر نظامی گنجوی کی پانچ مثنویوں کے جواب میں لکھیں ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ ۱ ۔ مطلع الانوار (۲) شیریں خسرو ۔ (۳) مجنون لیلی (۴) ہشت بہشت (۵) آئینہ سکندری ۔ ان کی دوسری مثنویاں تاریخی مثنویاں ہیں جو انھوں نے مختلف بادشاہوں کی فرمائشوں یا ان کی تعریف میں لکھیں ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔

۱ ۔ قران السعدین (۲) دیول رانی خضر خاں (۳) نہ سپہر (۴) مفتاح الفتوح (۵) تغلق نامہ

ان کے علاوہ انھوں نے تین کتابیں نثر میں لکھیں جن کے نام یہ ہیں ۔ (۱) اعجاز خسروی (۲) خزائن الفتوح (۳) افضل الفوائد ۔ ایک کتاب ہندی میں ہے جس کا نام خالق باری ہے ۔ اس کتاب کے بارے میں ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ امیر خسرو کی ہی لکھی ہوئی ہے ۔ ان کی نظموں و غزلوں کے مجموعے ان کے علاوہ ہیں ۔ یہاں ان کی چند خاص خاص کتابوں کے بارے میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے ۔

امیر خسرو کا پہلا دیوان تحفتہ الصغر ہے ۔ دیوان کا مطلب ہے کسی شاعر کی نظموں و غزلوں کا مجموعہ ۔ چونکہ اس میں ان کی ۱۶ سے ۱۹ سال تک کی عمر کا کلام شامل ہے اس لیے یہ نام رکھا جس کا مطلب ہے چھوٹی عمر کا تحفہ ۔ اس میں زیادہ تر قصیدے ہیں قصیدہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف لکھی گئی ہو ۔ بہت سے قصیدے غیاث الدین بلبن اور اس کے بڑے بیٹے شہزادہ محمد کی تعریف میں ہیں ۔ اس دیوان کے

دیباچہ میں خسرو نے اپنی زندگی کے بعض واقعات بھی بیان کیے ہیں ۔

دوسرا دیوان وسط الحیات جس میں خسرو کی وہ نظمیں شامل ہیں جو انھوں نے انیس سال سے تیس سال کی عمر تک کہی تھیں۔ وسط الحیات کا مطلب ہے درمیانی عمر۔ یہ دور خسرو کی جوانی کا دور ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں جوش و خروش ہے۔ امنگ و حوصلہ ہے اس دیوان میں حضرت نظام الدین اولیا ، بلبن ، کیقبا کشلو خاں ، بغرا خاں وغیرہ کی شان میں قصیدے شامل ہیں ۔ تیسرا دیوان غرۃ الکمال ہے جس کا مطلب ہے کمال کی انتہا۔ اس میں ان کی وہ نظمیں شامل ہیں جو انھوں نے بتیس سال کی عمر سے بیالیس کی عمر تک کہیں ۔ اس وقت خسرو کی عمر کافی ہو گئی تھی اور ان کی شاعری میں پختگی آ گئی تھی۔ اس دیوان میں نوے قصیدے شامل ہیں ۔ چند قصیدے سلطان علاؤ الدین خلجی، سلطان جلال الدین خلجی اور ان کے بیٹوں کی تعریف میں ہیں۔ اس میں امیر خسرو کے کچھ حالات زندگی بھی ملتے ہیں ۔ امیر خسرو نے اس دیوان کے دیباچہ میں فن شاعری پر بھی بحث کی ہے اور ہندوستانی شاعروں، ادیبوں اور عالموں کی تعریف کی ہے ۔ امیر خسرو کے چوتھے دیوان کا نام بقیہ نقیہ ہے ۔ جس کا مطلب ہے باقی بچا ہوا ۔ یہ دیوان انھوں نے چونسٹھ سال کی عمر میں ترتیب دیا تھا۔ اور اس میں ان کا بہترین کلام شامل ہے ۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنا آخری دیوان نہایت الکمال ترتیب دیا۔ اس کا مطلب بھی کمال کی انتہا ہے ۔ یہ دیوان انھوں نے اپنی موت سے کچھ ہی دن پہلے ترتیب دیا تھا۔ اس کے دیباچہ میں حضرت نظام الدین اولیا کی خوبیوں و نیکیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اس میں خدا اور محمد کی تعریف ہے اور تصوف و اخلاق کی باتیں بیان کی گئی ہیں ۔

مثنویوں میں حضرت امیر خسرو کی سب سے پہلی مثنوی قرآن السعدین ہے۔ یہ انھوں نے تین مہینے ہی میں لکھ لی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال تھی۔ اس میں سلطان کیقباد اور اس کے باپ بغرا خاں کے درمیان جھگڑے اور ملاپ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس مثنوی سے اس زمانہ کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر روشنی پڑتی ہے! اس میں دلّی کی بعض تاریخی عمارتوں کا ذکر بھی ہے۔ تہواروں۔ شادی بیاہ کی رسموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

دوسری تاریخی مثنوی مفتاح الفتوح ہے جو سلطان جلال الدین خلجی کے زمانہ میں لکھی گئی۔ اس میں اس سلطان کی لڑائیوں کے حالات پوری ایمانداری اور سچائی سے بیان کیے گئے ہیں۔ امیر خسرو تاریخی واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کرتے ہیں۔ یہ خوبی ان کی ہر مثنوی میں موجود ہے۔ امیر خسرو کی تیسری اہم مثنوی دیول رانی خضر خاں ہے۔ اس مثنوی کا نام عشقیہ بھی ہے۔ علاؤ الدین خلجی کے زمانہ کا یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ خضر خاں علاؤ الدین خلجی کا بیٹا تھا اور دیول رانی گجرات کے راجہ کرن کی بیٹی تھی۔ شہزادے اور راجکماری میں محبت ہو گئی اور بعد میں دونوں کی شادی۔ ان دونوں کے عشق و محبت کی یہ کہانی خسرو نے اس مثنوی میں بیان کی ہے اور بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ اس میں خسرو نے ہندوی کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ ہندوستانی چیزوں کی تعریف کی ہے۔ تاریخی اور ادبی اعتبار سے اس مثنوی کی بڑی اہمیت ہے۔ امیر خسرو کی چوتھی مثنوی کا نام "نہ سپہر" ہے۔ جب علاؤ الدین خلجی کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا تو اس کی خواہش ہوئی کہ کوئی شاعر اس کے

زمانہ کے حالات نظم میں لکھے اس نے یہ کام خسرو کے سپرد کیا۔ خسرو نے یہ مثنوی ۶۷ سال کی عمر میں مکمل کر لی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس مثنوی کے صلے میں خسرو کو ہاتھی کے برابر سونا دیا تھا۔ اس مثنوی کے نو حصے ہیں۔ اس کے تیسرے حصے میں ہندوستان اور ہندستانی چیزوں کی تعریف کی گئی ہے۔

خسرو کی آخری اور پانچویں مثنوی تغلق نامہ ہے۔ اس مثنوی کو تاریخی اعتبار سے بڑا اہم مانا گیا ہے۔ اس میں قطب الدین مبارک شاہ سے غیاث الدین تغلق تک کے زمانے کے حالات شامل ہیں اور بعض ایسے واقعات کی بھی تفصیل ملتی ہے جو تاریخ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے۔ امیر خسرو نے تین کتابیں نثر میں لکھی ہیں۔ پہلی کتاب اعجاز خسروی ہے یہ بڑی مشکل کتاب ہے۔ اس میں اس زمانہ کی نثری تحریروں کے نمونے پیش کیے گیے ہیں۔ اس کتاب کی تاریخی اہمیت بھی ہے اس کتاب میں امیر خسرو کے لکھے کچھ خط بھی شامل ہیں جو انھوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں عزیزوں اور دوستوں کو لکھے تھے۔ اس مثنوی کو تاریخ علائی بھی کہتے ہیں جس میں علاؤ الدین خلجی کی حکومت کے ابتدائی دور کے واقعات بیان کیے گیے ہیں۔ علاؤ الدین کی دیوگیری کی مہم دلّی میں اس کی بنائی ہوئی عمارتیں، گجرات و رنتھبور کی فتح۔ مالوے پر چڑھائی ملک کافور کی دکن پر چڑھائی وغیرہ جیسے واقعات کی تفصیل اس میں شامل ہے۔ امیر خسرو کی لکھی ہوئی ایک کتاب افضل الفوائد ہے جس میں حضرت نظام الدین اولیا کے حالات زندگی، ان کے قول اور ان کی مجلسوں کا ذکر ہے۔ اس کتاب کو امیر خسرو پورا نہیں کر سکے۔ امیر خسرو نے شاعری میں بہت سے تجربے کیے ہیں۔ وہ غزل، قصیدے، مثنویاں، قطعے، رباعیات وغیرہ سبھی لکھتے تھے اور ان کو سب کے لکھنے پر کمال حاصل تھا۔

10

امیر خسرو کی دین

امیر خسرو کی زندگی اور فن کے بارے میں تم نے تفصیل سے پڑھا۔ تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ کتنے بڑے انسان تھے۔ ان کی ذات میں کتنی خوبیاں جمع ہو گئی تھیں اور انھوں نے کتنے بڑے بڑے کام کیے۔ ان کی وجہ سے ساری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن ہوا۔ امیر خسرو فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ انھوں نے ہندوی میں بھی شاعری کی۔ دراصل آج جو ہم اُردو زبان بولتے ہیں اس کی پہلی جھلک امیر خسرو کی شاعری میں ملتی ہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ بادشاہوں کے درباروں میں بھی بلائے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک بادشاہ کے دربار میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ انھوں نے ان کی شان میں قصیدے بھی لکھے۔ درباروں سے ان پر چاندی سونا برستا تھا۔ لیکن محلوں میں ان کا جی نہیں لگتا تھا اور وہ گھوم پھر کر حضرت نظام الدین اولیا کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ شاہی درباروں سے انہیں جو ملتا تھا وہ غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ تم پڑھ چکے ہو کہ انہیں ایک ہاتھی کے وزن کے برابر سونا ملا مگر وہ انھوں نے اپنے پاس نہیں رکھا بلکہ غریبوں میں بانٹ دیا۔

وہ ایک سپاہی بھی تھے۔ انھوں نے شہزادوں اور بادشاہوں کے ساتھ لڑائیوں

میں حصہ لیا۔ ان کے ساتھ دور دراز شہروں اور علاقوں کا سفر کیا۔ وہ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے گرفتار بھی ہوئے۔ بڑی مشکل سے دشمنوں کے ہاتھوں سے رہائی پائی اور جان بچا کر گھر واپس آئے۔

امیر خسرو کو سنگیت سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ وہ بہت اچھا گاتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی و ایرانی سروں کو ملا کر بہت سے راگ و راگنیاں بنائیں۔ ستار اور طبلہ انھوں نے ہی ایجاد کیا۔

ان کی اپنی زندگی ہی میں خسرو کی شہرت دور دور کے ملکوں تک پہنچ گئی تھی۔ اپنی شاعری کی وجہ سے بادشاہوں اور شہزادوں تک ان کی پہنچ اور رسائی تھی۔ لیکن وہ عوام کے آدمی تھے۔ سچی خوشی انہیں عام لوگوں میں رہ کر ہی ملتی تھی۔ عوام کے دل و دماغ پر خسرو کی زندگی کی گہری چھاپ تھی۔

امیر خسرو نے فارسی میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ ہندوی میں بھی کویتائیں لکھیں۔ فارسی اور عربی کے علاوہ وہ ہندوستان کی دوسری زبانوں سے بھی واقف تھے۔ ہندوی کو وہ اپنی مادری زبان کہتے تھے۔ وہ سنسکرت بھی جانتے تھے انھوں نے اپنے زمانہ میں بولی جانے والی ۱۲ زبانوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ زبانیں آج بھی بولی جاتی ہیں۔

امیر خسرو نے ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کو بہت کچھ دیا۔ دو الگ الگ زبان اور مذہب کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔ انھوں نے پہلی بار اپنی تاریخی مثنویوں میں ہندوستان کی سماجی و تہذیبی زندگی کی تصویر کھینچی۔ ان مثنویوں میں عام ہندوستانیوں کے رہن سہن کی جھلک ملتی ہے۔ اسی لیے ایک تاریخ

داں کی حیثیت سے امیر خسرو بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں۔

امیر خسرو ایک سچے ہندوستانی تھے، وطن کی محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، وہ ہر ہندوستانی چیز سے بے حد پیار کرتے تھے۔ اپنی نظموں و غزلوں میں انھوں نے ہندوستان کے موسموں کپڑوں اور یہاں کے علم و ہنر کا حال بہت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ ہندوستان کو دوسرے تمام ملکوں سے اچھا ملک بتاتے ہیں۔ امیر خسرو ہندوستان کے بہت بڑے وطن پرست شاعر ہیں ان کی زندگی اور شاعری دیش بھگتی اور وطن و انسان دوستی کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

امیر خسرو نے ہمیں یہ سکھایا کہ مذہب دلوں کو جوڑنے کے لیے ہے توڑنے کے لیے نہیں۔ الگ الگ مذہبوں کو مانتے ہوئے بھی ہم سب مل جل کر بنا لڑے جھگڑے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں سب مذہبوں کی عزت کرنا سکھایا اور اپنی شاعری اور اپنے عمل سے محبت بھائی چارہ آپسی میل ملاپ اور مذہبی رواداری کا سندیش دیا۔ یہی سندیش ہے جس کی وجہ سے امیر خسرو کو ہم آج بھی یاد کرتے ہیں۔

ان کے مزار پر ہر سال عرس ہوتا ہے۔ یہ ایک میلہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی شریک ہوتے ہیں اور خسرو کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ قوالیاں گائی جاتی ہیں، مشاعرے و کوی سمیلن ہوتے ہیں۔ ہر مذہب کے ماننے والے لیڈر، عالم، ادیب اور شاعر خسرو کی زندگی اور کارناموں کے بارے میں تقریریں کرتے اور نظمیں پڑھتے ہیں۔ یہ عرس ہندو مسلم ایکتا کی بڑی اچھی مثال پیش کرتا ہے۔ غرض امیر خسرو کی موت کو تقریباً سات سو سال بیت جانے کے بعد بھی ان کا سندیش زندہ ہے۔

ہمارے ہی زمانے کے ایک ادیب اور عالم سید سلیمان ندوی، امیر خسرو کے بارے میں کہتے ہیں ۔

> "امیر خسرو نے ہندوستان کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ گو وہ نسلاً ترک تھے لیکن ان کا دل ہندوستان کی مٹی سے بنا تھا انھوں نے فارسی اور بھاشا زبانوں کو ملا کر ایک نئی زبان بنانے کی کوشش کی اور سب سے پہلے اس ملی جلی زبان میں شاعری کی بنیاد رکھی۔"

یہ کتابیں بھی پڑھئے

۱۔ امیر خسرو ۔ ڈاکٹر وحید مرزا ۔ ہندوستانی اکیڈمی ۔ الہ آباد

۲۔ امیر خسرو بحثیت ہندی شاعر ۔ صفدر آہ ۔ علوی بک ڈپو ۔ محمد علی روڈ ۔ بمبئی

۳۔ امیر خسرو اور ان کی ہندی شاعری ۔ ڈاکٹر شجاعت سندیلوی

۴۔ امیر خسرو ۔ شیخ سلیم احمد ۔ ادارہ ادبیات دلّی ۔ بلیماران دہلی

۵۔ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں ۔ سیّد صباح الدین عبد الرحمٰن ۔ دار المصنفین اعظم گڑھ

۶۔ امیر خسرو (ڈرامائی کہانی) علی عباس حسینی ۔ پنجابی پستک بھنڈار ۔ دریبہ کلاں دلّی

۷۔ LIFE AND WORKS OF AMIR KHUSRAU (انگریزی) ۔ ڈاکٹر وحید مرزا
ادارہ ادبیات دِلّی ۔ بلیماران ۔ دہلی

۸۔ امیر خسرو (انگریزی) غلام سمنانی ۔ نیشنل بک ٹرسٹ ۔ نئی دہلی

۹۔ امیر خسرو (ہندی) ڈاکٹر ملک محمد ۔ راج پال اینڈ سنس کشمیری گیٹ ۔ دِلّی

۱۰۔ امیر خسرو نمبر ۔ نیا دور ۔ اُردو ماہنامہ ۔ لکھنؤ شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء

۱۱۔ امیر خسرو نمبر ۔ آج کل ۔ اُردو ماہنامہ ۔ پٹیالہ ھاؤس ۔ نئی دہلی شمارہ نومبر ۱۹۷۴ء

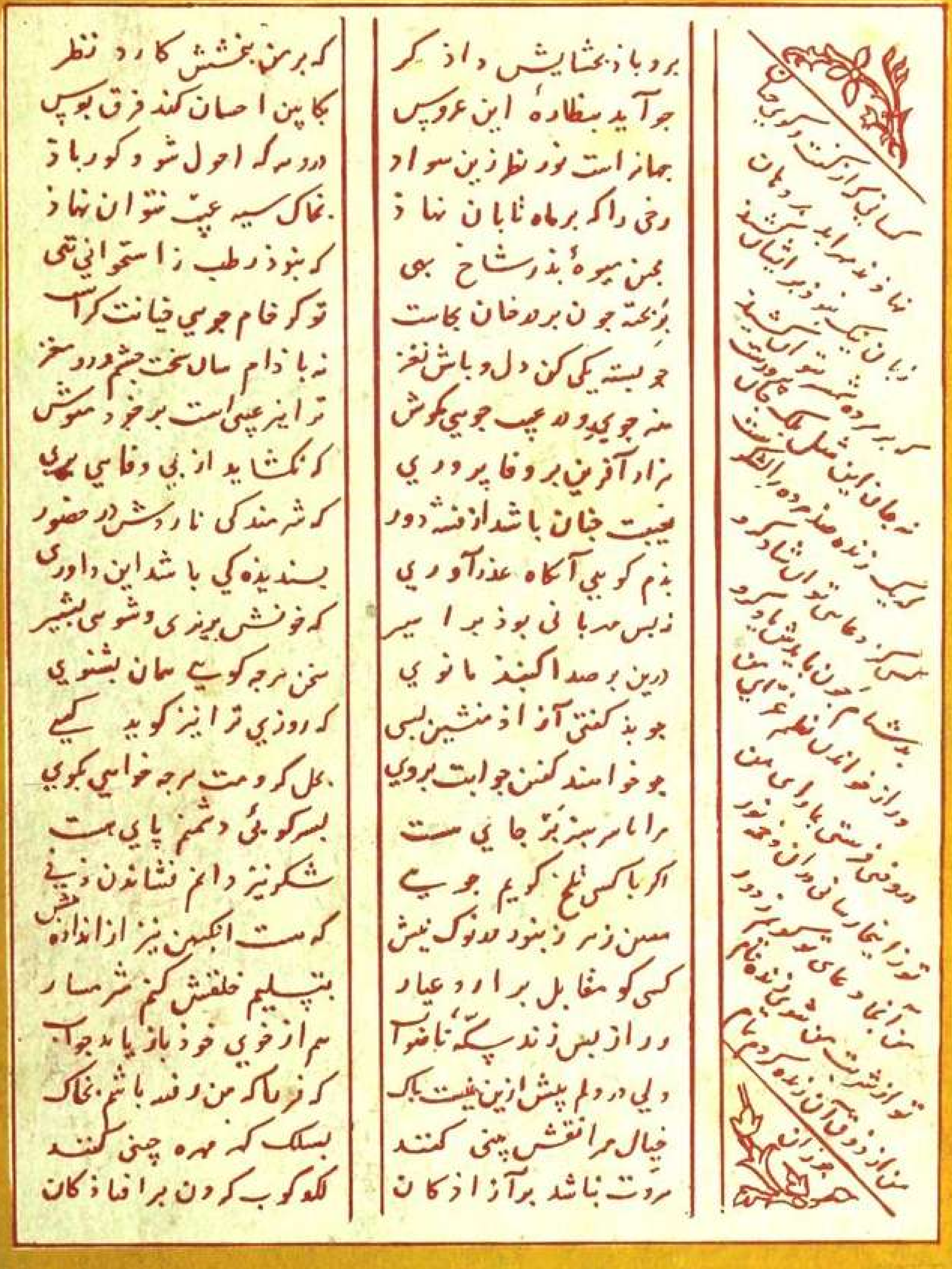

بر و باذ بخشایش داذ گر
جو آید بنظاره این عروس
جهاز است نور نظر زین سواد
رخی را که بر ماه تابان نهاذ
بجز میوه بذ در شاخ بهی
بر بخته جون بر دخان بجاست
جو بسته یکی کن دل و باش نغز
مزه جوی ور عیب جویی بکوش
هزار آفرین بر وفا پروری
بغیبت جنان باشد از فتنه دور
بدم گو بی آگاه عذر آوری
ز بس مهربانی بوذ بر اسیر
درین بر صد اکنذ ما نوی
جو بذ گفتی آز از منشین بسی
جو خواسند گفتن جوابت بروی
مرا با سر سبز بز جای هست
اگر با کسی تلخ گویم جو بی
مگس زهر زنبور در نوک نیش
کسی کو مقابل برارد عیار
ور از بس زند سکه نا خوب آ
ولی در دلم بیش ازین نیست باک
خیال مرا نقش چینی کنند
مروت نباشد بر آزاذ کان

که بر من ببخشش کارد نظر
بکابین احسان کند فرق بوس
درو منه که احول شو و کور باذ
بخاک سیه عیب نتوان نهاذ
که بنوذ رطب را استخوانی تهی
تو گر خام جوبی خیانت گراست
نه با دام سالی بخت چشم در دو مغز
ترا نیز عیبی است بر خود مپوش
که بگشاید از بی وفایی بهی
که شرمنده گی نارسش در حضور
بسندیده کی باشد این داوری
که خونش بریزی و شوئی بشیر
سخن هرچه گویی همان بشنوی
که روزی ترا نیز گوید کسی
بحل کردمت هرچه خواهی بگوی
بسر کوبی دشمن پای هست
شکر نیز دائم نشاندن ذ نیش
که مست انگبین نیز از اندازه
بتسلیم خلقش کنم شرمسار
هم از خوی خود باز یابد جواب
که فرما که من رفته باشم بخاک
بسنگ که مهره چینی کنند
لگد کوب کردن برافتاذگان

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ